تعارف

ہماری نظر سے شاذو نادر ہی کوئی ایسی کتاب گزرتی ہے جس کا مصنف تاریخ کے خشک اور غیر دلچسپ واقعات میں زندگی پھونکنے اور ہمارے سامنے زندہ اور جیتی جاگتی تصویر پیش کرنے میں کامیاب ہوا ہو۔ تاہم یہ کتاب اسی قسم کی ایک کامیاب اور قابل تعریف تصنیف ہے۔

اس کتاب میں مصنف نے طرز بیان کی چاشنی اور خیالات کی روانی کی بدولت حضرت یوسف کی حیات طیبہ کے متعلق حقائق و واقعات کو نہایت خوبصورتی سے الفاظ کی لڑی میں پرویا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس میں مرقوم ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو مبنی بر حقیقت نہ ہو۔ صحیح کردار نگاری اگرچہ ایک مشکل فن ہے، لیکن مصنف نے اس کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے۔

چونکہ اس کتاب کے تمام مندرجات کی بنیاد کتاب مقدس ہے، اس لئے ہمیں اس کتاب میں حضرت یوسف کی ایک سو دس سالہ زندگی کا ہر پہلو نظر آتا ہے۔ مثلاً باپ کی محبت، بھائیوں کا حسد، غلامی کی زندگی، کڑی آزمائش اور پھر سرفرازی، ان کی زندگی پاکیزگی، حلیمی، فرض شناسی، عالی ظرفی اور ایمان داری کا ایک خوبصورت اور عمدہ نمونہ ہے۔

ہم بڑے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ خواہش کریں گے کہ خود ان تمام واقعات کو کلام الٰہی یعنی بائبل مقدس میں پڑھیں۔ یاد رہے حضرت یوسف کے حالات زندگی کی تفصیلات کتاب مقدس کی پہلی کتاب پیدائش کے باب 25 تا 50 میں مندرج ہیں یوں آپ دیکھیں گے کہ یہ کتاب ایک دلچسپ کہانی ہی نہیں بلکہ کتاب مقدس کی ایک خوبصورت اور پر مغز تفسیر بھی ہے۔

ناشرین

پہلا باب

لرزہ خیز آغاز

ایک بڑا قافلہ وسطی کنعان میں شہر سکم کی جانب رواں دواں تھا قبیلے کے پر وقار سردار حضرت یعقوب کی نگاہیں قافلے میں موجود ان گنت مویشیوں، بھیڑ، بکریوں، گدھوں اور اونٹوں پر لگی تھیں تاکہ سفر میں کوئی خلل پیدا نہ ہو۔ گدھوں اور گاڑیوں پر سوار بچے اور عورتیں بھی برابر ان کی نظر میں تھے۔ قافلے میں ان کے غلام اور نوکر چاکر بھی شامل تھے۔ جن کی تربیت پر انہیں ناز تھا۔ اور اب تو وہ ان کے گھرانے کا ایک حصہ بن چکے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے دس بڑے بیٹے بھی ان کے شریک سفر تھے۔ ہنر مند اور کڑیل جوان۔ باپ کی ان پر کڑی نظر رہتی تھی کیونکہ وہ بالکل اپنی ماؤں پر گئے تھے۔ ان کی بھی دور جوانی میں آپس میں نہیں بنتی تھی۔ سردار نے سرد آہ بھری، انہوں نے کبھی دو بیویوں اور دو حرموں کی خواہش بلکہ تصور بھی نہیں کیا تھا۔ لیکن حالات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا کہ انہیں مجبوراً یہ سب کچھ دیکھنا پڑا

شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے۔ تھکا ماندہ سورج دھیرے دھیرے پہاڑ کی چوٹیوں کی اوٹ میں چھپنے لگا تھا۔ ساری فضا شفق رنگ ہوئی جاتی تھی۔ قافلہ اب بھی رواں دواں تھا۔ چہروں پر تمناؤں، امنگوں اور والہانہ مسرتوں کے شفق پھوٹنے لگی تھی۔ ان کے قدم آباؤ اجداد کی سرزمین پر پڑ رہے تھے جس کے خواب وہ برسوں سے دیکھتے آئے تھے۔

امی جان! یہ وہی راستہ ہے نا جہاں سے بڑے دادا ابو (ابراہیم) بھی آئے تھے ؟ یہ آواز حضرت یعقوب کے چھوٹے بیٹے حضرت یوسف کی تھی۔ ان کے بھی بہت سے ریوڑ، غلام اور خیمے وغیرہ تھے نا؟ ان کے لئے تو یہ اجنبی **ملک** تھا لیکن ابو تو یہیں پیدا ہوئے۔ میں اور آپ پہلے یہاں کبھی نہیں آئے۔ ذرا سوچئے امی جان! بڑے دادا ابو نے اپنا پہلا خیمہ سکم میں ہی گاڑا تھا۔ اسی سرزمین پر جہاں سے آج ہم گزر

رہے ہیں!

حضرت یعقوب اونٹ پر سوار اس بیل گاڑی کے پاس سے گزرے جس میں ان کی پہلی بیوی لیاہ سوار تھی اور اس کے ساتھ اس کی اکلوتی بیٹی دینہ بھی بیٹھی تھی۔ دونوں اپنی لونڈی زلفہ سے باتیں کرنے میں مصروف تھیں۔ زلفہ بھی حضرت یعقوب کی ازدواج میں سے تھی۔ جونہی دینہ کی نظر باپ پر پڑی وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے بولی ابا پڑاو جلدی ہی ڈالیں گے نا؟

باپ نے بڑی شفقت سے ہاں میں سر ہلایا۔ اپنی نوجوان بیٹی کو دیکھ کر انہیں احساس ہوا کہ وہ کتنی خوبصورت ہے۔ ساتھ ہی نسوانی آوازیں ابھریں، سکم میں شاپنگ کرنے کا کتنا مزہ آئے گا!

حضرت یعقوب کی دایہ دبورہ کیلئے یہ سفر بڑا تکلیف دہ تھا۔ کچھ عمر کا تقاضا، کچھ راستے کی طوالت اور ناہمواری، مسلسل جھٹکوں سے اس کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ حضرت یعقوب نے اس کے چہرے پر کرب کے آثار دیکھتے ہوئے بڑی محبت سے اس کی ہمت بندھائی، دبورہ نے قافلے کے پیشوا کے جھلسے ہوئے چہرے پر نگاہ ڈالی تو ایک زندہ دلانہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔ وہ آج بھی اسے وہی ننھا منا سا یعقوب لگا جسے وہ کبھی ڈانٹتی اور کبھی پیار سے سینے سے لگایا کرتی تھی۔ جسے اس نے اپنی گودوں کھلایا تھا۔ یہ اس کی تربیت ہی کا نتیجہ تو تھا کہ انگلی پکڑ کر پاؤں پاؤں چلنے والا وہی منا آج اتنے بڑے قافلے کا سالار تھا۔ وہ بڑی تھکاوٹ سے کانپتی ہوئی انگلی اٹھا کر تھرتھراتی آواز میں بولی، میری جان! ہم آج پھر اپنے وطن کی زمین پر چل رہے ہیں۔ تمہیں کیسا لگتا ہے بیٹے؟

بہت اچھا! بہت ہی اچھا ماں! یہ وہی جگہ تو ہے جہاں خدا چاہتا ہے کہ ہم رہیں

حضرت یعقوب نے دبورہ کو یاد دلایا، ماں! اصل چیز یہ زمین نہیں ہے جس کے ہم وارث ہوں گے بلکہ زندہ خدا کی وہ رفاقت ہے جو ہمیں حاصل ہوگی۔

حضرت یعقوب کی یہ باتیں سن کر بوڑھی آنکھیں چمکنے لگیں۔ کل کا وہ کومل سا بچہ آج کیسی حکمت کی باتیں کر رہا تھا۔ صرف دبورہ ہی جانتی تھی کہ اس کی زندگی میں خدا نے کتنا بڑا انقلاب پیدا کیا ہے۔ اب وہ پہلا سا یعقوب نہیں رہا تھا بلکہ نہایت سلجھا ہوا نیک فطرت نوجوان تھا، جس سے خدا راضی تھا۔ اس نے ایک سرد آہ بھری، میرے بچے! میں تو اتنا جانتی ہوں کہ یہ میرا آخری سفر ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نے مرنے سے پہلے کنعان کی سرزمین ایک بار پھر دیکھ لی ہے۔

حضرت یعقوب نے بڑھیا کی ہمت بڑھائی، اب تو آرام کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ بس ذرا سکم سے باہر کچھ زمین خرید لوں تو پھر وہیں اپنے خیمے گاڑ لیں گے۔

یہ سن کر دبورہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ سوچنے لگی، یہ یعقوب خدا کے وعدے پورے ہونے کا انتظار نہیں کر سکتا جو ابھی سے زمینیں بھی خریدنا شروع کر دیں؟

حضرت یعقوب کی باتوں کی بھنک حضرت یوسف کے کانوں میں بھی پڑ گئی تھی۔ انہوں نے بیل گاڑی میں ہی زور زور سے اچھلنا چیخنا شروع کر دیا بابا! بابا! جب آپ زمین خریدنے سکم جائیں گے تو میں بھی آپ کے ساتھ ضرور چلوں گا۔

حضرت یعقوب کے پہلوٹھے بیٹے روبن نے اپنے چھوٹے بھائی کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا تمہارے باپ کے پاس تمہارے ساتھ سر کھپانے کے علاوہ بھی کرنے کو بہت سے کام ہیں۔

حضرت یوسف اور ان کی ماں راخل روبن کی آواز سنتے ہی سہم گئے۔ ان کے وجود میں سرد لہر دوڑ گئی۔ حضرت یعقوب راخل کو دل و جان سے چاہتے تھے۔ ان کی یہی محبت راخل کی زندگی کا عذاب بن کر رہ گئی تھی۔ اسے سردار کی منظور نظر ہونے کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی تھی۔ سے خیال گزرا کہ اس کا رویہ اپنی بڑی بہن لیاہ سے کتنی دفعہ غیر ہمدردانہ رہا تھا۔ اور پھر جب لیاہ سے حضرت یعقوب کے ہاں ایک



جب قافلہ سکم کے قریب پہنچ گیا تو سب کی خوشی کا کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔حضرت یعقوب نے وہیں رک جانے کا فیصلہ کیا اور شاہ بلوچ کے ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے، جب میرے دادا ابراہیم حاران سے آئے تھے تو انہوں نے اسی جگہ اپنے خیمے گاڑے تھے۔یہیں انہوں نے ایک مذبح بنایا اور زندہ خدا کی پرستش کی تھی۔

حضرت یوسف کی نظریں سکم کے دونوں جانب واقع بڑے بڑے پہاڑوں پر گڑی تھیں۔وہ ان کی بلندی سے بہت مرعوب ہو رہے تھے۔آخر وہ بول ہی پڑے، بابا! کیا دادا ابا نے ان پہاڑوں کو بھی دیکھا تھا؟ کتنے بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔بابا!وہ دیکھو، اتنے بڑے بڑے پہاڑ تو خدا ہی بنا سکتا ہے ہے نا بابا؟ ان کی آنکھوں میں سنجیدگی جھلکنے لگی تھی۔باپ کی طرف دیکھتے ہوئے بولے میں بھی خدا سے بہت پیار کرتا ہوں لیکن وہ تو مجھ سے کبھی بھی بات نہیں کرتا۔

بچے کی باتیں سن کر حضرت یعقوب کا دل خوشی سے بھر گیا۔انہیں اپنے بیٹے پر بے تحاشا پیار آیا اور اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا تم خدا سے باتیں کرنا چاہتے ہو نا؟ اگر واقعی ایسا ہے تو وہ ضرور تمہاری زندگی میں آجائے گا۔بیٹے، خدا میں تمہیں سب کچھ مہیا ہو گا۔

سچ بابا؟ یوسف بے ساختہ اپنے باپ سے لپٹ گئے۔

ابھی قافلے نے دم بھی نہ لیا تھا کہ مقامی لوگوں کا ہجوم ان کے گرد آ کھڑا ہوا۔وہ ان اجنبیوں کو حیرت سے تک رہے تھے۔ہجوم کی متجسس نگاہیں نئے آنے والوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔سوالوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔سکم کے بارے میں معلومات حاصل کی جا رہی تھیں اور باہمی دلچسپی کے امور پر گفتگو ہو رہی تھی۔اتنے طویل اور تھکا دینے والے سفر کے بعد گپ شپ میں خاصہ لطف آ رہا تھا،خصوصاً زنانہ طبقے کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔جب سے انہوں نے شہر میں بکنے والے بندں،

ہاروں، دوپٹوں اور شالوں کے بارے میں سنا تھا ساری خیمہ بستی میں گفتگو کا بازار گرم تھا۔

حضرت یعقوب نے یوسف کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ ان کے پیچھے بڑے بیٹے ان کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے تھے۔ باپ دادا کی سرزمین پر ان کے قدم بڑے فخر سے پڑ رہے تھے۔ حضرت یعقوب کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مسرت کے ان چند لمحوں کے پیچھے کیسا طوفان چھپا ہوا ہے۔

سکم کے بڑے بوڑھوں نے شہر کے دروازے سے ان اجنبیوں کو بڑے مشکوک انداز میں دیکھا۔

حضرت یعقوب اور ان کے بیٹوں نے احتراماً جھکتے ہوئے کہا تم پر سلامتی ہو دیوتا تم پر رحم کریں، جواب ملا

مجھ پر ایک عنایت کر دیجئے۔ میرے ہاتھ شہر سے باہر کی کچھ زمین فروخت کر دیجئے تا کہ میں وہاں اپنے خیمے گاڑ سکوں

ایک ڈاڑھی والے بزرگ نے نظر ڈالتے ہوئے پوچھا، اے اجنبی! تم ہو کون؟

میں اس ملک کا بالکل ہی اجنبی نہیں ہوں۔ میرے دادا حضرت ابراہیم نے پہلے بھی سکم کے باہر اپنے خیمے گاڑے تھے، یہ بات کہتے ہوئے حضرت یعقوب کا سر فخر سے تن گیا۔

میرا بوڑھا باپ اضحاق حبرون میں رہتا ہے۔ میں دور اپنے ماموں کے پاس حاران میں رہتا تھا اور اب گھر لوٹ کر جا رہا ہوں میرا جڑواں بھائی عیسو بھی ادوم میں اپنے بارسوخ گھرانے کے ساتھ رہائش پذیر ہے۔

وہ لوگ اس کی باتوں سے بہت متاثر اور مرعوب ہوئے۔ ان میں سے ایک دو تو زندہ خدا کی عبادت کرنے والے ابراہیم کے بار میں جانتے بھی تھے۔ ڈاڑھی والے بزرگ نے حضرت اضحاق کے متعلق بھی سن رکھا تھا۔ اضحاق جو کہ امن کے علمبردار

تھے۔ ایک مرتبہ ان کے کنوئیں میں انتقاماً ریت بھر دی گئی تھی تو بھی انہوں نے جھگڑا نہیں کیا تھا۔ قصبے کے بزرگوں کے ترجمان نے ان سے دریافت کیا کیا تم بھی ابراہیم کے خدا کی پرستش کرتے ہو؟

ہاں! بے شک! ہم بھی اسی کے خادم ہیں حضرت یعقوب کی آواز میں اعتقاد کی پختگی تھی۔

ترجمان نے دھیرے سے کہا ہر شخص سمجھتا ہے کہ صرف اس کا اپنا دیوتا ہی اچھا ہے۔ پھر ٹھنڈی سانس کھینچ کر بولا لیکن جب ان دیوتاؤں کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے تو سب کے سب چپ سادھ لیتے ہیں۔ ان سب پر ہماری فریاد کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

حضرت یوسف کی آنکھیں اپنے باپ پر جمی ہوئی تھیں جنہوں نے زور سے سر ہلا کر کہا بزرگو! جس خدا کی پرستش میں کرتا ہوں وہ زندہ ہے وہ کلام کرتا ہے وہ میرے دادا ابراہیم سے ہم کلام ہوا۔ اس نے میرے باپ اضحاق سے کلام کیا اور خود مجھ سے بھی۔

لوگوں کی دلچسپی ان کی باتوں میں بڑھنے لگی۔ اے معزز سردار، تشریف رکھئے اور آپ نوجوان بھی اسے اپنا ہی گھر سمجھیں۔ پھر ترجمان حضرت یعقوب کی طرف جھکتے ہوئے بولا جب خدا آپ سے کلام کرتا ہے تو کیسا لگتا ہے؟

حضرت یعقوب کو سوال کا جواب دینے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ آخر انہوں نے تسلیم کرتے ہوئے کہا اسے بیان کرنا تو بہت ہی مشکل ہے لیکن ایک بات ضرور ہے کہ جب خدا کسی سے ہم کلام ہوتا ہے تو اس سے اس کی پوری زندگی متاثر ہوتی ہے اور انسان جان جاتا ہے کہ خدا ہی وہ واحد ہستی ہے جو اس کے دل کی بات کو سمجھتا ہے۔ اسے انسان سے محبت ہے۔ وہ اس کی فکر کرتا اور ہر لحاظ سے اس کی بہتری چاہتا ہے۔

حضرت یعقوب نے دیکھا کہ ان کا ایک ایک لفظ یوسف کے دل میں اتر رہا ہے۔ پھر وہ بڑے اعتماد سے کہنے لگے، خدا پاک ہے۔ جو شخص اس کی اطاعت کرنا چاہتا ہے، اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ خود کو پوری طرح اس کے سپرد کر دے تا کہ وہ اس کی زندگی وک بدلے۔

اس پر وہ بزرگ ناگواری سے کہنے لگے بس، بس! ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ دیوتاؤں نے انسان کو فطرتاً نہایت کمزور بنایا ہے۔ اس لئے ہم جیسے تیسے زندگی گزار لیتے ہیں۔

حمور کے بیٹوں سے زمین حاصل کرنے میں حضرت یعقوب کو کچھ مشکل پیش نہ آئی۔ سکم کے بادشاہ نے جو زمین کا مالک تھا ان کی بہت مدد کی۔ اس وقت تک رات ہوگئی تھی۔ لہذا انہوں نے خیمے گاڑ لئے اور عورتیں کھانا پکانے میں مصروف ہو گئیں۔ رات کی تاریکی میں لپکتے شعلوں کا منظر بڑا دلفریب تھا۔

لیاہ اپنی لونڈیوں کے ساتھ لذیذ کھانے پکانے میں مصروف تھی۔ اتنا عرصہ فارغ رہنے کے بعد اسے کام کرنے میں بہت لطف آ رہا تھا۔ دینہ میں زلفہ چکی میں گندم پیس رہی تھیں۔ راخل اور اس کی لونڈی بلہا نے بھی دودھ بلو کر مکھن نکال لیا تھا۔ کھانوں کی ملی جلی خوشبو نے حضرت یوسف کی بھوک کو اور چمکا دیا تھا۔

دینہ نے مسکراتے ہوئے کہا، چھوٹے بھیا، مجھے چھپا کر ہی تمہیں کھانے کو کچھ دینا پڑے گا، اگر تمہارے بھائیوں نے اپنے سے پیشتر تمہیں کھاتے دیکھ لیا تو وہ تو تمہاری پٹائی کر دیں گے۔

لیاہ نے چپکے سے خشک کھجوریں اس کی ہتھیلی میں تھما دیں۔ ان سے تمہاری بھوک کچھ کم ہو جائے گی۔

حضرت یوسف کو اپنی خالہ سے بہت محبت تھی۔ وہ اسے اس قدر چاہتے تھے کہ اس کی بھینگی آنکھیں بھی انہیں بہت اچھی لگتی تھیں۔ کھجوریں لے کر وہ بہت خوش ہو

گئے اور شکریہ ادا کرتے ہوئے اچھلتے کودتے باہر نکل گئے۔انہوں نے لیاہ کو یہ کہتے سنا، راخل، بہت پیارا بچہ ہے تیرا۔تو نے بہت اچھی تربیت کی ہے اس کی۔ بڑا ہو کر کچھ بنے گا یہ اور اب اس کے باپ کی تربیت اس کی شخصیت میں مزید نکھار پیدا کرے گی۔کون جانے تیرا بیٹا کیا سے کیا بن جائے گا۔

لیاہ نے سرد آہ بھری اور پھر اپنے اجڈ اور بدتمیز لڑکوں کے بارے میں سوچنے لگی۔

اتنے میں حضرت یوسف کی آواز سنائی دی ماں میں دبورہ کے پاس جا رہا ہوں۔

دبورہ کے خیمے میں روشن چراغ کی کرنیں چھن چھن کر چھت پر پڑ رہی تھیں۔ حضرت یوسف نے بڑے محتاط انداز میں دھیرے سے پکارا تاکہ اس کی آواز سن کر بڑھیا کہیں ڈر نہ جائے۔میں ہوں یوسف۔

اتنے طویل سفر کے باوجود دبورہ کے چہرے پر تھکاوٹ کے کوئی آثار نہ تھے۔ یہ دیکھ کر یوسف کی ہمت بڑھی اور شرما کر بولا، دبو مجھے اس وقت کے بارے میں بتاؤ جب آپ پہلی بار کنعان میں آئی تھیں۔

اس سوال سے جھریوں سے بھرے چہرے پر ایک اداس سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ وقت اسے ایک بیتا ہوا خواب معلوم ہونے لگا۔اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔اس وقت جانتے ہو میں بالکل جوان تھی بالکل جواں اور حسین اور حاراں میں تمہاری دادی ربقہ کی دایہ تھی۔ ربقہ نہایت خوبصورت لڑکی تھی۔بس اب میں تمہیں کیا بتاؤں !وہ سفر جو ہم نے تمہارے پردادا حضرت ابراہیم کے وفادار خادم الیعزر اور اس کے ساتھیوں کے ہمراہ کیا کیا سفر تھا! ہم سیدھے جبرون کی طرف چل پڑے۔

حضرت یوسف مچل اٹھے میں بھی اسی راستے سے آیا ہوں نا، ہے نا؟ کسی دن ہم

دادا اضحاق سے ملنے جبرون بھی جائیں گے۔

بہت سمجھدار ہے میرا منا دکھ تو اس بات کا ہے کہ تمہاری دادی اماں ربقہ اس دنیا سے جا چکی ہیں۔ وہ تم سے مل کر کتنی خوش ہوتیں! جب ہم اونٹوں پر سوار یہاں پہنچے تو شام کا وقت تھا اور پھر اچانک دور کھیتوں میں تمہارے دادا اضحاق آہستہ آہستہ چلتے نظر آئے۔ انہیں دیکھتے ہی تمہاری دادی جان گئی کہ یہ آدمی کون ہوگا۔ اس نے جھٹ سے برقع اوڑھ لیا۔ تمہارے دادا دادی شادی کے بعد بہت خوش رہتے تھے۔ لیکن 20 برس تک ان کے ہاں کوئی بچہ نہ ہوا۔ انہوں نے خدا سے منت کی کہ انہیں اولاد دے پتہ ہے منے خدا بڑا رحیم ہے، وہ اپنے لوگوں کو بڑے بڑے تحفے دینے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ اس نے انہیں بھی دو جڑواں بیٹے عطا کیے۔ عیسو اور یعقوب

حضرت یوسف ایک دم سنجیدہ ہو گئے اور دبورہ سے پوچھنے لگے، پتہ ہے میرا نانا لابن بتوں کو پوجتا ہے! وہ بت نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے وہ تو کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ پھر وہ اس کی طرف جھکے اور سرگوشی کرتے ہوئے کہنے لگے۔ کسی سے کہنا نہیں معلوم ہے ماں نے نانا جی کا پسندیدہ بت چرالیا تھا اور سفر میں اپنے ساتھ لے آئی تھی؟ نہ جانے نانا جی کو کیسے پتہ چل گیا۔ یاد ہے کتنے غصے میں تھے وہ؟ اور بت لینے کیلئے وہ کس طرح ہمارے پیچھے آئے تھے؟

دبورہ خوفزدہ سی ہوگئی۔ کیا کہا وہ بت تمہاری ماں نے چرایا تھا؟ اور دیکھو تمہارے باپ نے اس وقت قسم کھا کر کہا تھا کہ جس کے پاس سے وہ بت ملے گا اسے جان سے مار دیا جائے گا۔ آخر تمہاری ماں نے اسے ایسی کون سی جگہ پر چھپایا کہ تلاش کے باوجود وہ نہ ملا؟

یوسف نے اپنا منہ اس کے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ماں نے وہ بت اونٹ کی کاٹھی میں چھپایا ہوا تھا۔ جب نانا جی اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے ماں کے پاس آئے تو اس نے بہانہ کر دیا اور کاٹھی پر بیٹھی رہی۔ لیکن دبو، خدا تو جانتا ہے اور پھر اس

نے ابو کو قسم کھاتے بھی سنا ہے تو کیا کیا ماں کو مرنا ہو گا بتاؤنا؟ اچھی دیو، وہ بت تو ابھی تک ماں کے پاس ہے۔ وہ کہتی ہے کہ یہ میں نے صرف اس لئے پاس رکھا ہے کہ یہ مجھے گھر کی یاد دلاتا رہے گا۔

دبورہ نے گہری سانس بھر کر جواب دیا، خدا تمہاری ماں پر رحم کرے! ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ بت پرستوں کے گھرانے سے ہے۔ اسے بہت کچھ سیکھنا پڑا۔ لیکن اس نے خدا کو جان لیا ہے اور اب وہ پہلے سے کافی بدل چکی ہے!

یہ کہہ کر اس نے ننھے یوسف کو اپنے ہاتھ سے چمٹالیا اور بڑے پیار سے اس کے خوبصورت و ملائم بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی یوسف بیٹا! دیکھو تم اپنے باپ کے راستے پر چلنا، وہی سیدھا رستہ ہے۔

چند دنوں کے بعد حضرت یعقوب نے ایک قربان گاہ بنائی اور اپنے سارے گھرانے کے ساتھ مل کر ہواں زندہ خدا کی پرستش کی۔ وہ خدا سے پیار کرتے تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ ان کے گھر والے بھی اس کو جان لیتے اور اس سے محبت کرتے۔ جب وہ دیکھتے کہ ان کا بیٹا یوسف خدا کی طرف کس قدر راغب ہے تو بہت خوش ہوتے۔ لیکن بڑے بیٹوں کو دیکھ کر وہ مایوس ہو جایا کرتے تھے۔

اس دن موسم بہت خوشگوار تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جو راخل کے گھنے سیاہ بالوں سے اٹکھیلیاں کرتی جاتی تھی۔ حضرت یعقوب اس کے پاس بیٹھے اس پھولوں کے گجرے گوندھتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اس کی نرم و نازک انگلیاں بڑی مہارت سے پھول پرو رہی تھیں۔ جیسے ہی حضرت یعقوب کی نظر اپنے بیٹے پر پڑی وہ بڑے پیار سے پکارے یوسف، ادھر تو آؤ! دیکھو تمہاری ماں کیا کر رہی ہے۔ ارے آؤنا! دیکھو پھولوں کو بالکل ویسے ہی پرو رہی ہے جیسے جوانی میں پرویا کرتی تھی اپنے باپ کے گھر میں بھیڑیں چراتے ہوئے، ماضی کا رومان پرور سماں ان کی آنکھوں میں ناچ رہا تھا۔



حضرت یعقوب کے ہونٹوں پر گویا مہر لگ گئی تھی۔ ان کی نگاہیں بار بار خیمے کے دروازے سے ٹکرا کر لوٹ آتی تھیں۔ انہیں اپنے بیٹوں کا انتظار تھا جو ابھی کھیتوں سے نہیں لوٹے تھے۔ آخر وہ اکیلے کرتے بھی کیا۔ جب وہ آ گئے تو گرم خون، جوانی کا جوش اور اس پر غیرت و عزت کا مسئلہ! صورت حال معلوم ہوتے ہی وہ آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑے۔ ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ سر پر وحشت سوار تھی کہ اتنے میں بادشاہ کی آمد کی خبر آ پہنچی۔ وہ چند بڑوں سے ملاقات کا خواہش مند تھا۔ تاکہ اپنے بیٹے اور دینہ کے بیاہ کی بات پکی کر سکے۔ ساری خیمہ بستی پر سناٹا طاری تھا۔ معمولی سا غلط اقدام کسی بڑے نقصان کا پیش خیمہ بن سکتا تھا۔

بادشاہ بااختیار اور معتبر شخصیت کا مالک تھا۔ پھر بھی وہ اپنے بیٹے کی محبت سے مغلوب ہو کر اس کی پسند کی لڑکی کا ہاتھ مانگنے اجنبیوں کے خیمے میں خود چل کر آیا تھا۔ اپنی آمد کے مقصد کا اظہار کرتے ہوئے اس نے حضرت یعقوب کو بتایا کہ اس کا بیٹا دینہ کو شدت سے چاہتا ہے۔ وہ اس کے محل میں نہایت سکھی رہے گی اور ایک لڑکی کو اس سے زیادہ اور کیا چاہیے! یہاں تک کہ اس نے دینہ کی شادی کیلئے حضرت یعقوب کا مطالبہ جاننے کی خواہش کا اظہار بھی کیا۔

حضرت یعقوب جھنجھلا اٹھے۔ خدا نے بت پرستوں میں شادی بیاہ رچانے سے منع فرمایا تھا۔ دوسری طرف ان کی بیٹی دینہ کی خوشیاں تھیں جنہیں وہ ٹھکرانا نہیں چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ خدا کے بغیر زندگی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ ابھی وہ اسی شش و پنج میں مبتلا تھے کہ ان کے بیٹے بول پڑے عالی جاہ! ہم اپنی بہن کا ہاتھ ایسے شخص کے ہاتھ میں نہیں دے سکتے جو نامختون ہو۔ پہلے آپ سکم کے مردوں کا ختنہ کروا دیجیے پھر ہماری کسی بھی لڑکی کو بیاہ سکتے ہیں اور ہم بھی آپ کی لڑکیوں سے شادیاں کر لیں گے۔

یہ شرط بڑی خوشی سے قبول کر لی گئی۔ تاہم تیسرے روز جب سب مرد درد سے

کراہ رہے تھے اور نہایت تکلیف میں مبتلا تھے تو دینہ کے بھائی اسی وقت سکم میں داخل ہوئے۔ چونکہ وہ لوگ انہیں اپنا دوست سمجھتے تھے اس لئے انہیں گھر گھر داخل ہونے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی۔ ان کے اعتماد کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے ہر گھر کے مردوں کو تلوار سے قتل کر ڈالا۔ پھر فتح کے نشے میں چور وہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی لے آئے اور مل کر سارے شہر میں لوٹ مار مچا دی۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو گیا کہ خیمہ بستی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ کیا ہوا ہے۔ سب بھائی اپنے اونٹ دوڑائے جاتے اور خوشی سے چلا رہے تھے، قہقہے لگا رہے اور آپس میں بیہودہ مذاق کر رہے تھے۔ پھر خیمہ بستی کے مکینوں نے بھیڑوں بکریوں اور دیگر مویشیوں کی آوازیں سنیں جو عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار اور آہ و بکاہ کے علاوہ تھیں۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

حضرت یعقوب کے بیٹوں نے نہ صرف سلم کو لوٹا بلکہ وہاں کی عورتوں اور بچوں کو بھی اغواء کر لیا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر حضرت یعقوب غصے میں آپے سے باہر ہو گئے۔ وہ بیٹوں پر برس پڑے تم نے یہ کیا کیا؟ میرے نام کو بٹا لگا دیا۔ ڈبو دیا ہے میرا نام تم نے ہماری تعداد ہی کتنی ہے۔ مقامی لوگ ہمیں آسانی سے شکار کر سکتے ہیں اور پھر پھر تم نے خدا کی بھی توہین کی ہے میرے سینے میں چھرا گھونپا ہے تم نے!

شمعون نے چلا کر جواب دیا اپنی بیٹی کی آبروریزی کا انتقام لینا تمہارا کام تھا۔ پھر اس نے دینہ کو باپ کی طرف دھکا دیتے ہوئے نفرت سے کہا یہ رہی تمہاری بیٹی تم بزدل ہو ہاں ہاں بزدل ہو تم۔

خیمہ بستی پر خوفناک تاریکی چھا گئی۔ ایک گھمبیر تاریکی جیسے سب موت کے فرزند ہوں!

دوسرا باب

دل آزاد سفر

وہ رات بڑی بھاری تھی ۔ مایوسی فضا میں رچی ہوئی تھی ۔ روح کا بوجھل پن اور دل کا کرب حضرت یعقوب کو کچلے جا رہا تھا۔ ان کے قدم من من کے ہو رہے تھے ۔ انہوں نے خود کو بڑی ہمت سے سمیٹا اور خیمے سے باہر نکل آئے گہری خاموشی بیزار کن سناٹا دور دور تک نہ کوئی بندہ بشر نہ پتوں کی سرسراہٹ جیسے سارا عالم ان کے وجود کی اداسی میں تحلیل ہو چکا ہو کہیں گوشہ امن جائے پناہ سایہ عافیت؟ آہ! کچھ بھی تو نہ تھا۔ وہ بھاری قدموں سے قربان گاہ کی طرف کھنچتے چلے جا رہے تھے ۔ ان کا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ اتنا کچھ ہو جانے کے بعد خدا انہیں ضرور چھوڑ دے گا ۔ اس خیال کے آتے ہی وہ نڈھال ہو کر مذبح پر گر ے اور بڑی اذیت میں پکار اٹھے اے خدا! اے قدوس اور مہیب خدا! میں خود کو تیرے رحم وکرم پر چھوڑتا ہوں کیونکہ تو ہمیشہ اپنے بندوں پر فضل کرتا ہے ۔ تو نے ابراہیم کی اولاد کیلئے کتنے بڑے بڑے منصوبے بنا رکھے ہیں لیکن میرے بیٹوں نے ہر چیز پر پانی پھیر دیا ہے ۔ ہم نے تجھے ناراض کیا ہے ۔ یقیناً تو ہم میں سے ایسی قوم نہیں پیدا کرے گا جو ساری دنیا کیلئے برکت کا باعث ہو ۔ ہم نے تیرے پاک نام کی تحقیر کی ہے ۔ اے خدا! میری تقصیر معاف فرما ۔ اے میرے خداوند! مجھے ترک نہ کر ۔ تیری محبت اور شفقت کے سائے میں رہنے کے بعد تیرے بغیر میں ہرگز نہ جی سکوں گا ۔ روتے روتے حضرت یعقوب کی ہچکی بندگئی ۔ شدت غم سے ان کا پورا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا ۔ وہ کافی دیر تک خداوند کے حضور اوندھے منہ پڑے رہے ۔ مایوسی اور بے بسی نے انہیں اس حد تک مغلوب کر رکھا تھا کہ ان میں اٹھ کر چلنے کی سکت تک نہ تھی ۔

قربان گاہ پر اچانک ان کے تھکاوٹ سے چور جسم پر کپکپی طاری ہوگئی ۔ انہیں خدا کے پاک حضوری کا پوری طرح احساس ہو چلا تھا ۔ خدا قادر مطلق کے حضور میں ایک

دکھی باپ اپنے غمزدہ دل کے ساتھ ماتم کر رہا تھا۔ اچانک انہیں محسوس ہوا کہ خدا کا دل بھی اہل سکم کے دکھ اور یعقوب کی مایوسی سکون اور اطمینان میں بدل گئی۔ وہ جان گئے کہ خدا انہیں ہرگز نہیں چھوڑے گا۔ وہ سچا اور قادر ہے اور اپنا عہد کبھی نہیں توڑ سکتا۔ پھر انہوں نے خدا کی آواز سنی جو انہیں پکار کر کہہ رہا تھا، یعقوب سکم سے نکل کر بیت ایل کو چلا جا اور وہاں اس خدا کیلئے مذبح بنا جو تجھے اس وقت دکھائی دیا تھا جو تو عیسو سے بچ کر بھاگ نکلا تھا۔

خدا ان کے ساتھ کتنے تحمل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اتنا کچھ گزرنے کے باوجود وہ صبر سے سب کچھ برداشت کر رہا تھا۔ اپنے بڑے لڑکوں میں حضرت یعقوب کو اپنی جوانی کی پرانی فطرت کا عکس نظر آتا تھا۔ سچ ہے وقت اپنی کہانی دہراتا ہے اور بعض اوقات اپنا ماضی ایک بھیانک حقیقت بن کر حال کی دیوار بن جاتا ہے۔ وہ سوچنے لگے کیا ماضی کا آسیب کبھی بھی میرا پیچھا نہ چھوڑے گا؟ کیا میں عمر بھر اسی قید میں رہوں گا؟ کب تک آخر کب تک قدرت مجھے آئینہ دکھاتی رہے گی؟ ان کا ذہن ان خیالات میں الجھا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود خدا کی حضوری اور رفاقت کے فرحت بخش احساس سے وہ کافی دیر تک محظوظ ہوتے رہے۔

پھر وہ ہمت کر کے اٹھے اور لڑکھڑاتے ہوئے راخل کے خیمے کی طرف چل دیئے۔ اس وقت ان کا دل کمال اطمینان سے لبریز تھا۔ بیچاری لیاہ اس کے دماغ پر تو پہلے ہی دینہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کی وحشت سوار تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ اس کے بیٹوں نے اس نئی حرکت سے اس کی ذلت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ حضرت یعقوب دبے پاؤں خیمے میں داخل ہوئے ہی تھے کہ ایک گدھے کی بھرپور آواز خاموش فضا میں گونجنے لگی۔ چراغ کی مدھم روشنی ظاہر کر رہی تھی کہ راخل اور یوسف ابھی تک جاگ رہے ہیں۔ پاس ہی چارپائی پر لیٹے ہوئے ان کے بیٹے نے پوچھا بابا! اب تو آپ ناراض نہیں ہیں نا؟ اس کی متلاشی نگاہیں اپنے باپ کے چہرے پر



اب حضرت یعقوب نے سنجیدہ لہجے میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا یعقوب کے ساتھ بسنے والوں کو جان لینا چاہیے کہ اس کا خدا مقدس اور غیور خدا ہے۔وہ ہرگز برداشت نہیں کرے گا کہ ہماری اس محبت کو جو ہم اس کیلئے رکھتے ہیں کوئی اور چھین لے۔

راخل رونے لگی ہمارا کیا بنے گا؟ جب مقامی لوگوں میں اس قتل و غارت کی خبر پھیلے گی تو وہ تو ہمیں ہلاک کر ڈالیں گے۔ مجھے تو رہ رہ کر یوسف کا خیال آتا ہے۔وہ تو ابھی بہت چھوٹا ہے اور تمہارے بیٹوں کی خوں خوار نظریں ہر وقت میرا پیچھا کرتی رہتی ہیں۔ ہر جگہ مجھے گھورتی رہتی ہیں ساری شام مجھے تو یہی ڈر لگا رہا کہ ان میں سے ایک نہ ایک ضرور آ کر میری گردن اڑا دے گا۔اف میرے خدا! آخر میرے باپ نے کیا سوچ کر ہم دونوں بہنوں کو ایک ہی شخص سے بیاہ ڈالا؟ یہ سب لڑائی جھگڑے اسی بات کا نتیجہ ہیں یہ سب ہمارا اپنا کیا دھرا ہے۔

حضرت یعقوب نے بڑے دکھ سے سر ہلایا۔میں نے تو پہلے ہی تمہارے باپ سے صرف تمہارا ہاتھ مانگا تھا۔ میں کتنا چاہتا تھا تمہیں! اتنی محبت تھی مجھے تم سے کہ تمہیں حاصل کرنے کیلئے جو سات برس میں نے تمہارے باپ کی خدمت کی وہ چٹکی بجاتے میں گزر گئے۔سات سال کا طویل عرصہ یوں لگا جیسے ایک دن ہو۔لیکن نتیجے میں تمہارا دھوکا باز باپ تمہاری جگہ لیاہ کو میرے خیمے میں چھوڑ گیا۔اور شادی کی اس رات جب راز فاش ہوا تو کیا کیا بہانے تھے جو اس نے نہ بنائے۔بیچاری لیاہ! اس کیلئے یہ سب کچھ برداشت کرنا کتنا مشکل تھا۔

حضرت یعقوب نے راخل کے رخساروں پر بہتے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے بات جاری رکھی۔میں بیٹوں کیلئے بھی تو اچھا نمونہ نہ بن سکا۔خدا انہیں راہ راست پر لائے۔

راخل کے ضمیر نے اسے جھنجھوڑا اور اس نے اپنے خاوند کے سامنے اقرار کرتے

ہوئے کہا یوسف کے بابا! اپنے باپ کا بت آج تک میرے پاس ہے۔ مجھے معاف کرنا لیکن سچ بات تو یہ ہے کہ جب میں اس خطرناک سفر پر روانہ ہوئی تھی تو زندہ خدا پر میرا ایمان اتنا پختہ نہ تھا، اس لئے میں نے اس بت کو ساتھ لے لیا تھا۔ لیکن اب خدا کی شفقت اور فضل اور اس پر تمہارے کامل ایمان کو دیکھ کر مجھے اس کی قدرت اور عظمت کا پورا یقین ہو گیا ہے۔ میں جان گئی ہوں کہ یہ بت صرف پتھر کا ایک ٹکڑا ہے۔ یقین مانو! اب میں اسے اپنے پاس نہیں رکھوں گی۔

اسی اثناء میں حضرت یوسف کی چارپائی سے رونے کی آواز ابھری حضرت یعقوب نے فوراً پلٹ کا انہیں دیکھا بیٹا یوسف! کیا ہوا؟

راخل نے اپنے خاوند کے بازو کو دھیرے سے چھوا۔ ارے یہ تو ننھا عرام ہے، اسیروں کا چھوکرا۔ یوسف سے اس کی یہ قابل رحم حالت برداشت نہیں ہوتی، اس لئے رات کو اسے اپنی چارپائی پر اپنے ساتھ ہی سلا لیتا ہے۔

راخل نے تالی بجا کر ساتھ والے خیمے سے بلہاہ نامی لونڈی کو پکارا جو پہلے ہی اس شور سے گھبرا کر جاگ چکی تھی۔ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نمایاں تھے۔ لیکن جب اسے یہ علم ہوا کہ اسے صرف عرام کو سنبھالنے کیلئے بلایا گیا ہے تو اس نے سکھ کا سانس لیا۔ چونکہ عرام حضرت یوسف کے ساتھ چمٹا ہوا تھا اس لئے دونوں لڑکے بلہاہ کے ساتھ دوسرے خیمے میں چلے گئے۔

ڈیرے میں غم کے سائے بجائے چھٹنے کے اور گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ لگتا تھا یہ جلد ڈھلنے والے نہیں۔ ان اسیروں کے کرخت اور ناخوش چہرے جنہیں ان کے مقام سے اکھڑ لیا گیا تھا اور ہولناک یادیں ان کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھیں۔ اس خطرے کی مسلسل یاد دلا رہی تھیں جو کہ خیمہ بستی پر منڈلا رہا تھا۔

حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کی خوب خبر لی لیکن وہ بدخصلت سپوت سب کچھ سن کر بھی ٹس سے مس نہ ہوئے۔ رات بھر ہی میں ان کا جوش ٹھنڈا پڑ چکا تھا اور



بھرا کرتی تھی کتنی بدل گئی ہے۔ بلہاہ کے ساتھ وہ بھی بڑے دکھ کے ساتھ اپنے کانوں کے مندروں کو دیکھ رہی تھی جن میں دیوتاؤں کی ننھی ننھی مورتیاں بنی ہوئی تھیں۔تاہم سب نے حضرت یعقوب کے حکم کی تعمیل کی۔ خیمہ بستی میں اس وقت عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ ہرطرف صندوق اور ڈبے کھول کر مطلوبہ چیزیں ڈھونڈی جا رہی تھیں۔پھر ایک مخصوص بلوط کے درخت کے پاس لوگوں کی ایک لمبی قطار لگ گئی جو اپنی باری کے انتظار میں کھڑے تھے۔حضرت یوسف بڑی سنجیدگی سے یہ سب منظر دیکھ رہے تھے۔لوگ اپنے مورتیوں والے مندرے،تعویذ گنڈے اور ہر قسم کے بتوں کو بلوط کے درخت کے نیچے کھدے گڑھے میں پھینک رہے تھے۔اور جب حضرت یوسف نے دیکھا کہ ان کی ماں راخل نے بھی اپنے باپ کے بت کو اس گڑھے میں پھینک دیا ہے تو ان کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔وہ اچھلتے کودتے اپنی ماں کے پیچھے بھاگے ماں! بت کو پھینک دینا بڑا مشکل ہوگا؟ ہے نا؟ لیکن پھر اس کی توجہ ہٹانے کیلئے کہنے لگے، مجھے وہ باتیں بتاؤ نا ماں، جب آپ حاران میں بکریاں چرایا کرتی تھیں!

راخل نے ان کے بھولے بھالے چہرے کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا مجھے گھر سے باہر رہنا بہت اچھا لگتا تھا۔اور اپنی بنسری بجانے کا تو بہت ہی مزہ آتا تھا۔

ماں! آپ تو اب بھی بہت اچھی دھنیں بجالیتی ہیں۔ پتہ ہے مجھے اور بابا کو آپ کی بنسری سننا بہت اچھا لگتا ہے۔اور ماں! آپ کے کتے بھی تو آپ کی بھیڑ بکریوں کو ہنکالایا کرتے ہوں گے؟ ہے نا ماں؟

ہاں بیٹے! تم ٹھیک کہتے ہو۔یہ کتے میری بڑی مدد کیا کرتے تھے لیکن مجھے بھیڑ کے بچوں کی دیکھ بھال کرنا بہت اچھا لگتا تھا۔ راخل نے انہیں پیار سے چمٹالیا اور کہا، جلد ہی خدا ہمیں ایک منا دے گا۔ہم اب اسے پیار کیا کریں گے۔ٹھیک ہے نا

؟

جب سب لوگ اپنے اپنے بتوں سے چھٹکارا حاصل کر چکے تو حضرت یعقوب کے قافلے کو کوچ کا حکم دیا اور تیزی کے ساتھ وہ سکم سے بیت ایل کی طرف روانہ ہو گئے۔ قبیلے کے بعض افراد کا خیال تھا کہ ایسا کرنا کچھ اتنا ضروری نہ تھا۔ قافلے کے محافظ بھی جان گئے تھے جب سے ان لوگوں نے توبہ کی ہے تب سے کنعان کے لوگوں پر ان کی عجیب سی ہیبت طاری ہو چکی ہے۔ اسی لئے انہیں یقین تھا کہ اب وہ ان کا پیچھا کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔

بیل گاڑی میں حضرت یوسف بھی اپنی ماں کے ساتھ سوار تھے۔ ان کے ننھے سے ذہن میں بہت سے سوال ابھر رہے تھے۔ وہ بار بار اپنی ماں سے پوچھتے، ماں! ہم دادا سے ملنے حبرون کب جائیں گے؟ آپ دادا جان کو جانتی ہیں نا؟

راخل نے نفی میں سر ہلایا۔ نہیں میں انہیں نہیں جانتی۔ لیکن اتنا جانتی ہوں کہ ہم جلدی ان کے پاس جائیں گے۔ اب تو وہ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں۔ تمہارے بابا تو انہیں ملنے کیلئے بیس برس سے تڑپ رہے ہیں۔ حضرت یوسف پھر اپنی ماں سے لپٹ گئے۔

آخر کار منزلیں طے کرتا راستے کی مشکلات برداشت کرتا، چڑھتے سورج اور ڈھلتی شاموں کے حسین مناظر کی مسافتیں سمیٹتا وہ کارواں بیت ایل آ پہنچا۔ شدت جذبات سے حضرت یعقوب کے آنسو نکل پڑے۔ انہوں نے اپنے بیٹے یوسف کو وہ پتھر دکھایا جسے انہوں نے بیس برس پہلے ایک رات تکیے کے طور پر استعمال کیا تھا۔ انہوں نے اقرار کرتے ہوئے فرمایا، جب میں حاران کی طرف بھاگ رہا تھا تو بہت اداس تھا، بالکل تنہا، بے کس، بے سہارا اوپر سے میرا بھائی عیسو میرے خون کا پیاسا تھا۔ وہ مجھے جان سے مار ڈالنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ میں اپنے بوڑھے اندھے باپ کو نہایت دکھی اور مایوس چھوڑ کر آیا تھا۔ کیونکہ میں نے اس کے اعتماد کو

ٹھیس پہنچائی تھی۔ میں نے بری طرح سے اپنے باپ کا دل توڑا تھا۔لیکن جانتے ہو اس بے چارگی کے عالم میں پہلی بار خدا مجھ پر ظاہر ہوا تھا۔

اس ذکر کے ساتھ ہی ان کی آواز میں ایک پرمسرت کھنک سی آ گئی۔ وہ اس پتھر کے پاس ادب سے بیٹھ گئے اور حضرت یوسف سے بولے، یہاں، بالکل اسی جگہ ایک سیڑھی بن گئی تھی جو سیدھی آسمان تک جاتی تھی۔ اور اس سیڑھی پر جانتے ہو یسف،فرشتے اترتے چڑھتے تھے۔اس وقت خدا نے مجھے یقین دلایا کہ میں تجھے برکت دوں گا۔ تیرے ساتھ رہوں گا اور تجھے صحیح سلامت واپس گھر لاؤں گا۔ میں تجھ سے ایک قوم پیدا کروں گا اور تو سب قوموں کیلئے برکت کا باعث ہو گا۔

حضرت یعقوب کے بڑے بیٹے بھی کھڑے یہ سب باتیں سن رہے تھے۔لیکن ان کے چہرے ہر قسم کے جذبات اور تاثرات سے عاری تھے جبکہ حضرت یوسف گھٹنوں کے بل ہو کر غور سے اس جگہ کو دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے پوچھا بابا! خدا کی آواز بہت ہی پیاری ہے؟ اگر خدا مجھے کچھ کرنے کو کہے گا تو میں ضرور کروں گا۔

حضرت یعقوب مسکرا دیئے میرے بچے! یہی صحیح جذبہ ہے ایک وقت تھا کہ میں جانتا تک نہ تھا کہ خدا کی محبت کتنی عظیم چیز ہے۔ اگر خدا تمہارے ساتھ ہے تو تمہارے پاس سب کچھ ہے۔ جب میں نے خدا سے وعدہ کیا کہ میں اپنی تمام تر ملکیت کا دسواں حصہ اسے دوں گا تو میں اپنے آپ کو بہت بڑا سخی سمجھتا تھا۔اس خیال کے آتے ہی حضرت یعقوب نے طنزیہ قہقہہ لگایا۔لیکن خدا تو انسان کا سب کچھ چاہتا ہے۔اس کا پورا وجود چاہتا ہے۔اس کا جسم اس کی جان اس کی روح سب کچھ

پھر انہوں نے خدا کے حکم کے مطابق وہاں ایک مذبح بنانا شروع کیا۔حضرت یوسف اپنے باپ کو خدا کے حکم کی تعمیل کرتے دیکھ رہے تھے۔اس خدا کے حکم کی جس نے مصیبت میں ان کی مدد کی تھی۔اس خدا کے حکم کی جو ہر جگہ جہاں کہیں حضرت

یعقوب گئے ان کے ساتھ رہا۔ انہوں نے مل کر خدا کی پرستش کی۔

حضرت یوسف کے دل پر اس واقعے کا گہرا اثر ہوا۔ خاص طور پر جب انہیں معلوم ہوا کہ خدا نے بعد میں ایک بار پھر ان کے باپ سے ہمکلام ہو کر ان کے ساتھ اپنے عہد کو نئے سرے سے باندھا تھا تو وہ بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

بیت ایل میں قافلے کا پڑاؤ بڑا پرسکون اور فرحت بخش تھا۔ حضرت یعقوب کی دیرینہ خواہش کی تکمیل ہوئی تھی۔ ان کے بیٹے یوسف کے دل میں اپنے باپ کے ایمان کے تجربات اور مشاہدات کا حیرت انگیز اور ایمان افروز منظر تصور ہی تصور میں دیکھ کر زندہ خدا سے محبت ابھر آئی۔

سب اہل قافلہ مسرور اور مطمئن تھے کہ اچانک ماتم اور آہ و بکا کی دردناک آوازوں سے فضا کا سکون درہم برہم ہو گیا۔ دبورہ چل بسی تھی۔ اس کی موت کے بعد سب پر یہ بات واضح ہو گئی کہ درحقیقت اس کا ایک اپنا مقام تھا اور اسے پورے گھرانے میں بڑی اہمیت حاصل تھی۔ عورتیں اپنے بال نوچ رہی تھیں۔ سینہ کوبی کر رہی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ بین کرتی جاتی تھیں اے بہن دبورہ! تم کہاں چلی گئیں! دیکھو تو تمہارا خیمہ کتنا خالی خالی لگ رہا ہے ہائے ہائے تمہارے پیالے میں اب کون کھائے گا؟ ہائے ہائے تمہاری پیار بھری آواز اب کبھی بھی ڈیرے میں سنائی نہیں دے گی۔

سب سے زیادہ صدمہ حضرت یوسف کو تھا جنہیں دبورہ سے بہت پیار تھا۔ وہ بڑھیا تو ان کی خاص دوست بھی تھی۔ وہ اپنے دل کی ساری باتیں اس سے کہہ لیتے تھے۔ کیا کے قصے نہ سنے تھے انہوں نے دبورہ سے۔ ان کی سسکیاں صاف دنائی دے رہی تھیں جبکہ حضرت یعقوب کی کیفیت اور بھی سنگین تھی۔ دبورہ ان کی بھی دایہ تھی جس نے انہیں ماں کا پیار دیا تھا۔ وہ ایک بیٹے کی طرح اس کا احترام کرتے تھے۔ اس کی نیکیاں یاد کر کر کے ان کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ ایسے میں اچانک

انہیں اپنے بوڑھے باپ کا خیال آیا کہیں خدا نہ کرے اف میرے خدا میرا بابا بھی تو اتنا بوڑھا ہے۔ایسا نہ ہو کہ ملاقات سے پہلے ہی وہ بھی اس جہان سے رخصت ہو جائے۔

لہذا جونہی ماتم کے دن پورے ہوئے تو انہوں نے فوراً حبر ون کی طرف کوچ کرنے پر زور دیا۔بڑے پر سکون سفر کے دوران اب قافلہ اس پہاڑی پر چڑھ رہا تھا جس پر بیت لحم کا قدیم قصبہ واقعہ تھا۔اس مقدس سرزمین پر چلتے ہوئے ان کی خوشی کی انتہا نہ تھی کہ اچانک قافلے کو رک جانے کو کہا گیا۔لیاہ پریشانی کے عالم میں چلا رہی تھی کہ کسی دایہ کا انتظام کیا جائے۔راخل دردزہ میں مبتلا تھی۔لیاہ سے اپنی بہن کی یہ حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔بے بسی اور بے چینی کے عالم میں اس کے ہوش و حواس ٹھکانے نہیں تھے، کیونکہ حضرت یوسف کی پیدائش کے وقت بھی بہت مشکل پیش آئی تھی۔لہذا انہیں راخل کی جان کی فکر تھی۔

حضرت یعقوب نے معاملے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے فوراً خیمہ لگوایا۔وہ اتنے دلیر اور شیر دل ہونے کے باوجود اپنی بیوی کی تکلیف کے خیال سے کانپ کانپ جاتے تھے۔راخل کی چیخیں دلوں کو چیرے ڈالتی تھیں۔حضرت یوسف خوف سے سہمے ہوئے اپنے باپ سے چمٹے کھڑے تھے۔انہوں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا بابا! کیا دبورہ کی طرح ماں بھی چل بسے گی؟ خالہ لیاہ اور دوسری عورتیں بہت پریشان ہیں۔لگتا ہے ماں کی حالت کافی خراب ہے۔

باپ بیٹے نے خیمے کی طرف بڑی بے بسی سے دیکھا۔لیاہ انہیں آنے کا اشارہ کر رہی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ خیمے میں پہنچتے آہ و بکا اور چیخ و پکار کا ایسا شور اٹھا کہ سب کے دل دہل گئے۔لیاہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی بندھی تھی۔اس نے حضرت یعقوب کے ہاتھوں میں کپڑے میں لپٹا بچہ تھماتے ہوئے کہا سرتاج! لیجئے آپ کا بیٹا! راخل نے اس کا نام بنونی رکھا تھا یعنی میرے غم کا فرزند۔

حضرت یعقوب نے اپنی چہیتی بیوی کے ان مول تحفے کو سینے سے لگا لیا اور پیار بھرے جذبات سے مغلوب ہو کر پکار اٹھے نہیں نہیں اس کا نام بنیمین ہوگا۔ یہ میرا وہ بیٹا ہے جو قسمت کا دھنی ہوگا۔

پھر حضرت یعقوب نے ننھے بنیمین کو یوسف کی باہوں میں دیتے ہوئے ہچکیوں اور سسکیوں میں کہا اس کا دھیان رکھنا یہ تمہارا اپنا اور بڑا قیمتی بھائی ہے۔

جب خوبصورت، جواں سال راخل کو فنایا جا رہا تھا تو ماں کی میت کو دیکھ کر حضرت یوسف کو یوں لگا جیسے ان کی دنیا بکھر کر رہ گئی ہو۔ ماں خاندان کی سلامتی کی ضامن ہوتی ہے۔ لیکن پھر اس وجود کے مٹتے ہی زندگی کے تمام نظام درہم برہم ہو جاتے ہیں اور خوبصورت رنگ بکھر کر حیات کو بے لطف کر دیتے ہیں۔ ہر طرف ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ حضرت یوسف کے حساس ذہن پر یہ بات نقش ہو چلی تھی کہ جوان ہو یا بوڑھا سب کو ایک نہ ایک دن اس دنیا سے ضرور رخصت ہونا ہے۔ ان کے پردادا ابراہیم قصداً خیموں میں رہتے تھے تاکہ وہ یہ نہ بھولیں کہ انکا اصل گھر آسمان پر خدا کے ساتھ ہے۔ حضرت یوسف کا دادا اضحاق اور باپ یعقوب بھی خیموں ہی میں رہتے ہیں۔ لیکن یہ خیمے ان کے مستقل گھر نہیں ہیں۔ آخر یہ زندگی ہے کیا؟ ایک نہایت باطل چیز۔

جدائی کا صدمہ کتنا شدید ہوتا ہے۔ انہیں اپنی ماں کی قبر کو تنہا چھوڑ کر آنا پڑا جہاں ان کی عزیز ترین ہستی کے باقیات دفن تھے۔ اب ان کی ماں راخل ان کی زندگی سے بالکل جا چکی تھی۔ کتنی تلخ حقیقت ہے یہ موت بھی، نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سب کچھ دیکھنا پڑتا ہے جس کا انسان میں حوصلہ تک نہیں ہوتا۔

اب حضرت یوسف کی زندگی کا مرکز و محور ان کی خالہ یعنی سوتیلی ماں لیاہ تھی جو ان کی ماں کی جگہ لینے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ اب حضرت یوسف اپنا سارا پیار اپنے پیارے گول مٹول سے بھیا بنیمین پر نچھاور کرتے تھے۔ تو بھی ان کے دل

یمں ابھی تک ایک خلا سا تھا۔ اس لئے وہ ہمیشہ خدا کو جاننے کے متلاشی رہتے تھے۔ ان کے بابا بھی بڑی خوشی سے خدا سے متعلق اپنے تجربات کے بارے میں اپنے بیٹے سے باتیں کیا کرتے تھے۔ اس طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ باپ بیٹا ایک دوسرے کے بہت ہی قریب آ چکے تھے۔

آخر وہ دن بھی آ پہنچا جس کا مدت سے سب کو اشتیاق تھا۔ وہ دن جو حضرت یعقوب کی حسرتوں کی تکمیل کا دن تھا۔ وہ دن جو حضرت یوسف کے خوابوں کی تعبیر کا دن تھا۔ وہ دن جو بچھڑے ہوئے باپ بیٹوں کی ملاقات کا دن تھا۔ ہاں وہ دن وہ عظیم دن جب قافلہ آخر کار اپنے آبائی علاقے حبرون کی سرزمین میں داخل ہوا۔ ان کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا گیا۔ لوگوں نے حضرت یعقوب کو بتایا تمہارا باپ بہت بوڑھا ہو چکا ہے۔ وہ تو کب کا مر چکا ہوتا لیکن ان دن کی آرزو نے اسے ابھی تک زندہ رکھا ہے۔

حضرت یعقوب اپنے بچھڑے باپ کے پاس خیمے میں تنہا گئے، بالکل اسی طرح جیسے عرصہ پہلے وہ اس میں داخل ہوئے تھے۔ پھر گھٹنوں کے بل گر کر گڑگڑائے۔ بلک بلک کر روئے۔ بابا! مجھے معاف کر دو، بابا میں خود غرضی میں اندھا ہو گیا تھا۔ میں نے تمہیں دھوکا دیا۔ ایک اندھے باپ کو دھوکا دیا۔ اسے یہ یقین دلا دیا کہ میں یعقوب نہیں عیسو ہوں۔ میں ہر قیمت پر پہلوٹھے کی برکت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ میں اس کا حقدار نہیں ہوں اس لئے یہ ناجائز طریقہ اختیار کیا۔ لیکن خدا نے مجھے ڈھونڈ نکالا۔ میں تمہارا گنہگار ہوں بابا مجھے معاف کر دو۔

حضرت اضحاق نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے بیٹے کے آنسو پونچھ ڈالے۔ ان کی حساس انگلیاں ان کے چہرے کے خطوط کو چھو رہی تھیں۔ بصارت سے محروم آنکھوں کی بینائی لاغر ہاتھوں کی انگلیوں میں اتر آئی تھی۔ انہون نے بیٹے کو پہچان لیا۔ یہ وہی کھویا ہوا بیٹا یعقوب ہی تو تھا جو بیس برس پہلے بچھڑنے کے بعد انہیں آض

مل گیا تھا۔خدا نے انہیں ان کا وہ بیٹا لوٹا دیا تھا جسے خود قادر مطلق نے برکت دی تھی۔باپ کانپتی ہوئی مگر خوشی آمیز آواز میں بولا، اٹھو بیٹا اور سکون سے بیٹھ جاؤ، مجھے بتاؤ کہ خدا نے تمہیں کیسے ڈھونڈ نکالا؟

حضرت اضحاق کتنے خوش تھے کہ آخر کار ایک بیٹا تو ایسا ہے جو ان کا سا ایمان رکھتا ہے۔عیسو جو کبھی ان کا چہیتا بیٹا ہوتا تھا۔اس کو خدا کا بالکل خیال نہ رہا۔

دونوں باپ بیٹا اپنی باتوں میں اتنے محو تھے کہ انہیں خیمے کے اندر حضرت یوسف کی موجودگی کا احساس تک نہ ہوا۔چنانچہ ہوا پنے باپ اور دادا کی باتیں بڑے غور سے سن رہے تھے۔

حاران سے واپسی پر جب ہم دریائے یبوق پر پہنچے تو میری ہمت جواب دے چکی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ عیسو ہم سب کو ہلاک کر ڈالے گا۔میرے محافظوں کو علم ہو گیا تھا کہ وہ 400سپاہیوں کے ساتھ پہلے ہی گھر سے روانہ ہو چکا ہے۔عیسو سے ملنے سے پہلے مجھے خدا کے حضور آنے کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی تا کہ اپنے ماضی کے غلط طور طریقوں سے توبہ کر کے خداوند سے اپنا رشتہ استوار کروں۔بابا! یقین مانئے،میرا جی چاہتا تھا کہ میں بالکل اکیلا ہو جاؤں۔پس میں نے سب لوگوں حتیٰ کہ اپنے خاندان کو بھی یبوق پار کروا دیا۔آپ تو جانتے ہیں کہ اس جگہ پر دریا کے پانی کا اتنا شور ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔اس سے میں کچھ گھبرا سا گیا۔پھر میں نے پکار کر خدا سے کہا اے خدا! اے خدا میں حاضر ہوں تو جیسا سلوک مجھ سے کرنا چاہتا ہے کر لے۔

اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص مجھے گریبان سے پکڑ رہا ہے۔میرے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ میں بھی اس کے ساتھ گتھ جاتا۔میرا حریف مجھے مار ڈالنے کے درپے تھا۔جب لڑائی خوفناک حد تک بڑھنے لگی تو مجھے معلوم ہوا کہ میں تو خداوند کے فرشتے سے کشتی لڑ رہا تھا۔پھر میں جان گیا کہ اب مجھے اپنے ماضی کو پیچھے



تیسرا باب

حملہ

دس برس تک وادی حبرون میں حضرت یعقوب کی خیمہ بستی پھلتی پھولتی رہی۔ ان کو اب اپنے بڑھاپے کا احساس ہو چلا تھا۔ اس لئے اب وہ اپنے ریوڑوں کو چرانے کیلئے گردونواح کے علاقے میں اپنے بیٹوں کو ہی بھیج دیا کرتے تھے۔ عمر کے ساتھ ساتھ ان کے خیالات اکثر ماضی کی طرف بھٹکتے رہتے تھے۔ لیاہ حاران میں گزارے ہوئے دنوں اور موجودہ زمانے کے درمیان ایک کڑی تھی۔ جتنا ماضی کی حضرت یعقوب کو یاد آتی تھی اتنا ہی وہ لیاہ کے قریب تر ہوتے جاتے تھے۔

حضرت یوسف اور بنیمین کی دیکھ بھال کرنے سے لیاہ کو بہت سکون ملتا تھا۔ اب اس کے اپنے بیٹوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ وہ اپنے پوتے پوتیوں کو دیکھ دیکھ کر انتہائی خوش ہوتی تھی۔ آسودگی کا احساس اسے مطمئن رکھتا تھا۔

لیکن افسوس کہ ایک دن لیاہ کی تمام خوشیاں بکھر کر رہ گئیں بے چاری روبن کی بیوی اس کے خیمے میں طوفان کی طرح آ دھمکی وہ انسان نہیں وحشی ہے۔ کل رات روبن سرتاج کی حرم بلہاہ سے ہم بستر ہوا ہے۔ مجھے تو اس نے ڈیرے میں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ آخر سردار سنیں گے تو کیا بنے گا؟

لیاہ نے اپنی آواز پر قابو پانے کیلئے سانس روک لیا اور رندھے ہوئے گلے سے بولی وہ اسے ضرور سزا دے کر پہلوٹھے کی برکت اور دولت سے محروم کر دیں گے۔

اور پھر جیسے الفاظ زبردستی اس کے ہونٹوں پر پھسل پڑے، میرا پہلوٹھا روبن نہیں بلکہ راخل کا پہلوٹھا یوسف اب اس قبیلے کا سردار بنے گا۔

بے چاری مجبور عورت نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کی سسکیاں فضا میں ابھر رہی تھیں اور وہ اپنی قسمت کو کوس رہی تھی اف خدایا! میری بھی کیا قسمت پھوٹی ہے۔ ذرا سنو تو ادھر شمعون کی بیوی چلا

رہی ہے اور اپنے شوہر کا غصہ بے چارے بچوں پر اتار رہی ہے۔

لیاہ نے اپنی چادر سے آنسو پونچھے۔ اس کا سانس ابھی تک پھولا ہوا تھا۔ اس نے بڑی بے چارگی سے تسلیم کرتے ہوئے کہا راخل کے بچوں کو دیکھو۔ وہ دوسروں سے کتنے مختلف ہیں مجھے تو وہ بہت پیارے لگتے ہیں یوسف ایک اچھا سردار بنے گا۔ خدا اسے برکت دے۔

لیاہ کو حضرت یوسف کی صلاحیتوں پر ماں کا سا ناز تھا۔ اس نے بات جاری رکھی۔ اس لڑکے کو سارہ، ربقہ اور راخل کا حسن ورثے میں ملا ہے اور اس کا مضبوط و خوبصورت بدن دیکھ دیکھ کر اس کے بھائی جل جل جاتے ہیں۔ پتہ ہے وہ کتنا ذہین ہے اور اپنے باپ دادا کے خدا سے پیار بھی کرتا ہے!

اتنا کہہ کر لیاہ رک گئی اور سوچنے لگی کہ اسے آگے بات کرنی چاہیے کہ نہیں۔ آخر کار وہ پھٹ پڑی لیکن یوسف اور بنیمین بھی بگڑنے لگے ہیں۔ وہی غلطی جو بچوں کے دادا دادی سے ہوئی تھی اب ان کے باپ سے ہو رہی ہے۔ حضرت اضحاق او رعیسو سے محبت تھی جبکہ ربقہ حضرت یعقوب کو چاہتی تھی۔ اسی کے باعث اس گھرانے میں زبردست نفاق پڑ گیا تھا۔ اور اب یہی کچھ ہمارے گھر میں ہو رہا ہے۔

روبن کی بیوی کی آواز اب قدرے مدھم ہو گئی تھی۔ وہ بڑی ہی رازداری سے لیاہ سے کہنے لگی یوسف کے بھائی اس سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ میری بات یاد رکھنا ایک نہ ایک دن بھائی اسے ضرور جان سے مار ڈالیں گے۔ جب بھی یوسف ان کے ساتھ مویشی چرانے جاتا ہے تو جو کچھ وہ آپس میں کرتے ہیں وہ سب باتیں آ کر اپنے باپ کو بتا دیتا ہے۔ ظاہر ہے کوئی اچھا کام تو وہ لوگ کرتے نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب وہ یوسف سے اور زیادہ نفرت کرنے لگے ہیں۔

لیاہ بہت محنتی عورت تھی۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھی۔ اس وقت بھی اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود اس سے اور زیادہ دیر فارغ نہیں بیٹھا جا رہا تھا۔ وہ اٹھی اور

چرخہ کاتنے لگ گئی۔ایک اور بات بڑی عجیب ہے یوسف خواب کی تعبیر بالکل صحیح بتاتا ہے۔

ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ اس کی نظر دور آتے ہوئے حضرت یعقوب پر پڑی۔اس نے شش کارتے ہوئے کہا ذرا دھیان سے روبن کے والد آرہے ہیں۔ بہت غصے میں لگتے ہیں غالباً انہیں شرمناک واقعے کی اطلاع مل چکی ہے۔ بے چارے! آج تو چال میں پہلے سے بھی زیادہ لنگراہٹ ہے۔دیکھو اب تم یہاں سے چلی ہی جاؤ میں نہیں چاہتی کہ وہ ہم دونوں کو یوں اکٹھا پائیں۔

لیاہ کی بہو آنکھ بچا کر وہاں سے کھسک گئی اور اتنے میں سردار یعقوب خیمے میں داخل ہوئے۔مشکل سے بیٹھتے ہوئے انہوں نے بڑے غصے سے کہا، میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ یوسف کیلئے ایک چوغہ بنواؤں جس پر مہنگی کڑھائی کروائی جائے گی جیسے امیر لوگوں کا لباس ہوتا ہے۔ میں اب زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرسکتا کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ کام کرے۔ان کی صحبت اس کے حق میں اچھی نہیں ہے۔

لیاہ کے ہاتھ بڑی مہارت سے چل رہے تھے۔آخر اس نے نیم دلی سے کہہ دیا ہاں، ہاں مگر دل میں سوچنے لگی یہ قبا اس بات کا کھلا اعلان ہوگا کہ وارث آرہا ہے۔ یوسف اس خیال سے لیاہ کا دل کانپنے لگا۔ بھائی یہ سب کچھ کیسے برداشت کریں گے؟اس نے گڑگڑا کر دل ہی دل میں منت کی، اے خداوند! ہمیں کسی اور مصیبت سے محفوظ رکھنا

بنیمین اچھلتا کودتا ہوا خیمے کے پاس سے گزرا۔اپنے شوہر کی توجہ موضوع سے ہٹانے کی غرض سے لیاہ نے اسے پکارا میرے چاند! ادھر آ ذرا بنسری کی دھن تو سنا

ننھا بنیمین فوراً مان گیا اور باپ کی قدموں میں بیٹھ کر بنسری پر سریلی دھن چھیڑ دی۔اس کی گول مٹول آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ جب وہ بنسری بجا چکا تو بڑے اشتیاق سے اپنے باپ سے پوچھنے لگا بابا! میں بھی ماں کی طرح اچھی بنسری بجالیتا

ہوں نا؟ بتاؤ بابا! ماں بہت خوبصورت تھی کیا اور خوش مزاج بھی؟ یوسف بھائی نے مجھے بتایا ہے اور راور روہ کہتے ہیں کہ ماں کے بھائیوں نے اسے فلاخن چلانا بھی سکھایا تھا۔

لیاہ نے اثبات میں سر ہلایا ہاں بیٹے! یہ سب کچھ سچ ہے تمہاری ماں کو کبھی بھی اچھا کھانا پکانا نہ آیا۔ لیکن وہ بھیڑوں کی دیکھ بھال بہت اچھی کر لیا کرتی تھی۔

راخل کی خوبصورتی اس کے باپ کیلئے ایک مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ ہر شخص اس سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اس طرح بڑی بہن کو ہمیشہ نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ لیاہ نے خدا کا شکر کیا کہ اب اس کا زخم بھر چکا ہے۔ اس نے سرد آہ بھری جب اسے یاد آیا کہ نوجوانی کے ایام میں اسی معاملے نے اس کی زندگی کو کتنا اجیرن بنا رکھا تھا۔

بنیمین نے بڑی بے چینی سے اپنے باپ کے قدموں کو تھام لیا اور بولا یوسف بھائی یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہمارے پردادا ابراہیم نے بڑا ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔ اور جب وہ اس کی تعبیر کے بارے میں سوچ رہے تھے تو خدا نے انہیں بتایا کہ اس کے لوگ اجنبی سرزمین میں 400 برس تک غلامی کی زندگی گزاریں گے۔

اس دوران میں خدا اسی جگہ انہیں ایک بڑی قوم بنائے گا اور پھر انہیں اپنے وطن واپس لے آئے گا۔

پھر وہ اچانک اچھل پڑا اسے یوں لگا جیسے اس کا باپ اس کی بات نہیں سن رہا۔ اس نے اپنے والد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا کیا ہم اجنبی **ملک** میں جائیں گے اور دوسرے لوگ بھی جیسے روبن کے بچے جب یہ سب بڑے ہو جائیں گے؟ بابا! وہ **ملک** کون سا ہو گا؟ مصر ہو گا کیا؟

جونہی اس نے روبن کا نام لیا حضرت یعقوب کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔ روبن کا خیمہ ان کے خیمے کے دروازے سے صاف نظر آ رہا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ بہت سی عورتیں گھسر پھسر کرنے کیلئے اندر داخل ہو رہی ہیں تو انہیں نے بچے کو ہانکا

ساتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا اچھا! اب جاؤ اور کھیلو کا دو۔ اس کے بارے میں پھر کبھی بات کریں گے۔ ہاں ذرا یوسف کو تو بلا کے لاؤ۔ بوقلموں قبا بنانے کیلئے خالہ لیاہ اس کا ناپ لیگی۔

نبیمین خوشی سے ناچنے لگا۔ یوسف بھائی کو بوقلموں قبا بہت اچھی لگے گی۔ بابا! بھیا کی تو بڑی پیاری سی ڈاڑھی بھی نکل رہی ہے۔ پتہ ہے جب میں 18 سال کا ہو جاؤں گا تو میری ڈاڑھی بھی نکل آئے گی۔

لیاہ نے حضرت یوسف کیلئے نہایت خوبصورت قبا سیا جس پر امیرانہ پوشاک کی طرح بیل بوٹے کڑھے تھے۔ جونہی حضرت یوسف نے اسے پہنا ان کی خوبصورتی کو چار چاند لگ گئے۔ ان کے بھائی تو پہلے ہی ان کے دشمن ہو رہے تھے۔ جب یوسف کو اس امتیازی لباس میں دیکھا تو وہ جل بھن گئے۔ اب تو ان کا سامنے آنا بھی بھائیوں کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ روبن نے تو نفرت سے یہاں تک کہہ دیا تھا پہلوٹھا میں ہوں اور اصولاً یہ قبا پہننا میرا حق بنتا ہے کیونکہ وارث میں ہوں اور تم ایک چور ہو

حضرت یوسف احتجاجاً کہنے لگے، ایسی گھٹیا بات مت کرو۔ یہ قبا تو مجھے بابا کی طرف سے ملی ہے

تو بھی اس لباس میں حضرت یوسف خود کو اپنے بڑے بھائیوں سے برتر سمجھنے لگے تھے۔ جب وہ اپنے بھائیوں کو موٹے کھردرے کپڑے پہنے دیکھتے جو ان کی جفاکشی کیلئے موزوں تھے تو انہیں خوشی ہوتی تھی۔ ویسے بھی وہ اپنے باپ کی آنکھ کا تارا تھے۔

حضرت یوسف کے اس رویے نے بھائیوں کی نفرت اور ناراضی کو بھڑکانے میں جلتی پر تیل کا کام کیا۔ دان غراتے ہوئے کہنے لگا اچھا تو اب دماغ آسمان پر ہے شہزارے کا! تم سمجھتے کیا ہو اپنے آپ کو؟ تم ہی نے چند روز پہلے ہمیں اپنا شاندار

خواب سنایا تھا نا؟ تم نے ہمیں صاف صاف یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ایک دن تم ہم سب پر حکومت کرو گے۔ ایسا ہی ہے نا؟

آشر نے بڑے بھونڈے انداز میں حضرت یوسف کی نقل اتارتے ہوئے ان کے الفاظ دہرائے، سنو! میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ ہم سب گندم کے کھیت میں پولے باندھ رہے ہیں۔ اتنے میں جانتے ہو کیا ہوا؟ میرا پولا اٹھا اور سیدھا کھڑا ہو گیا اور تمہارے پولوں نے میرے پولے کے گرد گھیرا ڈال لیا اور اسے سجدہ کیا۔

جد غصے سے چلایا، جنگلی پلے! یہ خیال دے سے نکال دو کہ ہم کبھی تمہارے سامنے جھکیں گے۔ پھر اس نے حضرت یوسف کے پیروں پر تھوکتے ہوئے کہا تمہارے یہ خواب تمہارے غرور کی پیداوار ہیں۔ بدمعاش! تمہاری اس جرأت اور بے باکی سے مجھے شدید نفرت ہے

زبولون نے حضرت یوسف کی بھنوؤں کو بڑے طنز سے چھوتے ہوئے کہا تو تم باپ کی نقل کرنا چاہتے ہو۔ انہوں نے بھی ایک دفعہ خواب دیکھا تھا۔ ظاہر ہے تمہیں زیادہ خواب دیکھنے چاہئیں۔ پھر زوردار قہقہہ لگایا۔ حیرت ہے ہر خواب سے تو بس ایک ہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ تم ہم پر حکومت کرو گے۔ حاکم ہو ہمارے کیا؟ اور دوسرا خواب سنو! اس میں تو ہمارے ماں باپ بھی عالی جاہ یوسف کے سامنے جھکتے نظر آتے ہیں

کرخت لہجے میں وہ اس نوعمر یوسف کے سامنے اونچی آواز میں کہنے لگا میرے بھائیو! میں نے ایک اور خواب دیکھا ہے جس میں سورج چاند اور گیارہ ستارے میرے آگے جھک رہے تھے۔

زبولون نے حضرت یوسف کے گال پر طمانچہ مارنے کیلئے ابھی ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ حضرت یعقوب کی گرج دار آواز سنائی دی کچھ شرم کرو۔ حاسد بچوں کی سی حرکتیں کرتے ہو۔ مرد ہو تو اپنی مردانگی ثابت کرو۔

پھر حضرت یعقوب نے روبن کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور ان سب کو وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا پرسوں تم ریوڑ کو ہری بھری چراگاہوں میں لے جاؤ جو تمہیں سکم کے نواح میں ملیں گی۔ میں بوڑھے انوس اور اس کی بیوی عدہ کو تمہاری دیکھ بھال کیلئے تمہارے ساتھ بھیج دوں گا۔تمہیں اس طویل سفر کیلئے کافی تیاری کرنی ہوگی۔اور ہاں جب سکم کے قریب پڑاؤ ڈالو تو ذرا ہوشیار رہنا ممکن ہے 10 سال گزرنے کے بعد بھی وہ لوگ تمہیں نہ بھولے ہوں۔

سکم کی یاد آتے ہی ان کے دل پر چوٹ لگی اور سب کے منہ بند ہو گئے۔حضرت یعقوب کو ان پر ترس آ رہا تھا۔وہ بڑے خطرناک علاقے میں جا رہے تھے۔ان کی تسلی کیلئے وہ کہنے لگے، لیاہ بیل گاڑی میں کھانے پینے کا سامان، برتن اور دوسری ضروری چیزیں لادنے میں عدہ کی مدد کر دے گی۔اس نے اسے سب کچھ بہت اچھی طرح سکھا رکھا ہے۔وہ تمہیں مزے دار کھانا پکا کر کھلایا کرے گی۔

جب بھائی اپنے باپ کے ساتھ بحث میں پڑ گئے تو حضرت یوسف نے موقع غنیمت جانا اور وہاں سے چپکے سے کھسک گئے۔انکا دل بڑی طرح گھائل تھا اور حسب معمول وہ شدید مایوسی اور تنہائی کا شکار تھے۔یہ تمام حالات انہیں خدا کے اور قریب لے جانے کا باعث بن رہے تھے۔کھلے میدان میں جا کر وہ منہ کے بل زمین پر گر گئے اور اپنی تمام تر مایوسی اور اکیلے پن کو خداوند کے حضور انڈیل دیا۔کافی دیر تک وہ اپنے باپ دادا کے خداوند کے حضور جھکے رہے جو محبت، رحم اور وفاداری کا سرچشمہ ہے۔حضرت یوسف نے فیصلہ کیا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے وہ کسی قیمت پر بھی اپنے بھائیوں کے نقش قدم پر نہیں چلیں گے۔خدا کے قریب تر رہنے کیلئے انہیں اپنے باپ کی پیروی کرنا تھی۔انہوں نے گڑگڑاتے ہوئے دعا کی، اے خداوند مجھے توفیق دے کہ میں تیری مرضی کے مطابق اور تیری قربت میں زندگی گزاروں۔

پھر روبن پر بھائیوں کا غصہ اترنے لگا۔جونہی ان کا باپ نظروں سے اوجھل ہوا

لاوی اس پر برس پڑا گدھے! صرف تیری وجہ سے ہمیں یہاں سے اتنی جلدی جانا پڑ رہا ہے۔ بابا تیرے وجود کو برداشت نہیں کر سکتا اسی لئے وہ ہمیں دور دراز علاقے سکم میں بھیج رہا ہے۔

وہ صبح بڑی سہانی تھی جس روز یہ قافلہ روانہ ہوا۔ اتنا بڑا ریوڑ لے کر وہ بھائی بڑے منظم انداز میں جا رہے تھے۔ جب انہوں نے کوچ کیا تو دور تک صرف گرد کا بادل ہی نظر آ رہا تھا۔ گھریلو سامان کی بیل گاڑیوں پر بیٹھے عدہ اور رانوس دور سے دو نقطے سے اوجھل ہو گئے تو اس نے سکھ کا سانس لیا۔ لگتا تھا کہ جلد ہی سارا بحران ختم ہو جائے گا اور وقت زخموں پر مرہم رکھ دے گا۔

دن ہفتوں اور ہفتے مہینوں میں تبدیل ہو گئے لیکن حضرت یعقوب کے بیٹوں کی کوئی خبر نہ ملی۔ خیمہ بستی کے مکینوں میں بے چینی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ سب ان بھائیوں کیلئے سخت پریشان تھے۔ ایک شام کھانے کے بعد حضرت یعقوب نے لیاہ سے اپنے خدشات کا اظہار کیا خدا جانے سکم کے نواحی گاؤں کے لوگوں نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہو؟ وہ ابھی تک بھولے نہیں ہیں اف! خدا نہ کرے، خدا نہ کرے انہوں نے بھاری دل کے ساتھ بھڑکتی آگ پر نظریں جما دیں اور پھر فیصلہ کن انداز میں بولے، میں یوسف کو انہیں ڈھونڈنے بھیجتا ہوں کم از کم وہ مجھے ان کی خیریت کی خبر تو لا کر دے گا۔ تب کہیں جا کر مجھے چین آئے گا۔

شوہر کی محبت نے لیاہ کے دل میں جوش مارا۔ اسے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ وہ اپنے سب بیٹوں سے پیار کرتے ہیں۔ تاہم اس نے دبی دبی آواز میں اپنا خدشہ بھی ظاہر کر دیا۔ سوچ لیں سترہ سال کے اکیلے نوجوان کیلئے یہ ایک لمبا اور خطرناک سفر ہے۔

آخر کار حضرت یعقوب نے اپنے چھوٹے بیٹے کو بھیج ہی دیا۔ جب حضرت یوسف نے اس حکم کو کمال رضامندی سے قبول کر لیا تو باپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

بغیر وقت ضائع کئے حضرت یوسف سفر پر روانہ ہو گئے۔ وہ بنیمین کو خدا حافظ کہنے کیلئے تلاش کر رہے تھے کہ وہ دوڑتا ہوا خود ہی ان کے پاس آ پہنچا۔ اس کے ایک ہاتھ میں بنسری اور دوسرے میں فلاخن تھی۔ اس کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ وہ دور ہی سے پکار کر کہنے لگا۔ یوسف بھائی! یوسف بھائی! دیکھو میرے فلاخن کا نشانہ کتنا اچھا ہو گیا ہے۔ وہ سامنے درخت پر دیکھو دیکھ رہے ہو نا؟ میں بڑی آسانی سے اس کے تنے کا نشانہ لے سکتا ہوں فلاخن کا پتھر لہراتا ہوا سیدھا جا کر نشانے پر لگا۔

شاباش بنیمین! مجھے تم پر فخر ہے مشق جاری رکھو میں سکم جا رہا ہوں۔ تم اپنا خیال رکھنا

بنیمین نے شدید احتجاج کیا۔ بابا! میں بھی یوسف بھائی کے ساتھ جاؤں گا۔ مجھے جانے دو نا بابا!

حضرت یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا، جانے دو بنیمین بے وقوف مت بنو سکم بہت دور ہے وہاں پہنچنے میں مجھے بہت دن لگیں گے۔ اس کے علاوہ رستہ بھی خطرناک ہے خطرہ ہے کہ ڈاکوؤں اور جنگلی جانوروں سے بھی واسطہ پڑے۔

حضرت یعقوب نے یہ سن کر اثبات میں سر ہلایا اور بنیمین کے کندھوں کے گرد اپنے بازو حمائل کر کے اسے دلاسا دیا۔ یوسف سفر پر جا رہا ہے نا۔ چلو پھر بنسری پر ایک دھن سنا دو۔ یوسف جتنی جلدی سفر پر جائے گا اتنی ہی جلدی لوٹ بھی آئے گا۔

حضرت یوسف نے اپنے بھائی کو گلے سے لگایا اور کہنے لگے، خدا تمہارے ساتھ ہو پھر ملیں گے۔

باپ اور بیٹے میں کوئی بات نہ ہوئی۔ دونوں ہی خاموش تھے حضرت یوسف جلدی سے باہر نکل گئے اور بنیمین کی اداس دھن انہیں دور تک سنائی دیتی رہی۔ ان تینوں میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ حضرت یوسف حبرون کی وادی

میں پھر کبھی نہیں لوٹیں گے۔

کئی دنوں کی مشکلات برداشت کرتے ہوئے وہ جب سکم پہنچے تو وہاں ان کے بھائیوں کا نشان تک نہ تھا۔ جب ان کی نظر قدیم شہر پر پڑی تو ان کے وجود میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ ان کے کانوں میں باپ کی یہ آواز گونج رہی تھی۔ یوسف سکم کے شہزادے کی طرح جنسی آزمائش میں نہ پڑ جانا۔ اس سے خبردار رہنا اس کے باعث بہتوں کی زندگی تباہ ہو چکی ہے۔

ابھی وہ فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں کہ ایک آدمی نے انہیں بتایا کہ ان کے بھائی وہاں سے جا چکے ہیں اور یہ کہ اس نے انہیں کہتے سنا تھا کہ اب دوتین کو چلتے ہیں۔

ایک لمحے کیلئے حضرت یوسف نے گھر لوٹنے کا خیال کیا۔ اب ان کے بھائی سکم کے خطرناک علاقے سے نکل چکے تھے۔ واپس جانے سے وہ ان سے ملاقات کرنے سے بچ سکتے تھے اور ان کے طعنوں سے بھی جو آسیب کی طرح ان کا پیچھا کرتے تھے۔ لیکن پھر انہوں نے سوچا نہیں گھر نہیں جاؤں گا بلکہ خود دیکھوں گا کہ بھائی کس حال میں ہیں۔

اتنا کچھ ہونے کے باوجود وہ اپنے بھائیوں سے محبت کرتے تھے پس وہ دوتین کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب انھ کی نظر دور گڑے خیموں پر پڑی تو ان کا دل خوشی سے بے قرار ہونے لگا۔

عدہ نے کپڑے دھو کر جھاڑیوں پر پھیلائے ہوئے تھے اور ریوڑ خیموں سے کچھ فاصلے پر چرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ اسی سمت چل پڑے۔

ان کے بھائیوں نے دور ہی سے ایک تنہا شخص کو آتے دیکھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی ان کے دلوں میں سوئی ہوئی نفرت ایک دم جاگ اٹھی، روبن نے طنزاً کہا، وہ دیکھو! خواب دیکھنے والا چلا آ رہا ہے۔

سب کے سب ایک آواز ہو کر چلا اٹھے، چلو اس سے جان چھڑائیں۔ ہمیشہ کیلئے اس کا خاتمہ ہی کر دیں۔ بابا سمجھے گا اسے کوئی جنگلی جانور کھا گیا ہے۔

ان بلند قہقہوں میں نفتالی کی آوز گونجی پھر ہم دیکھیں گے کہ اس کے خوابوں کا کیا بنتا ہے ہا!ہا!ہا! ارے پھر وہ ہم پر حکومت کیسے کرے گا؟ ہا!ہا!ہا!!!!

اس وقت روبن کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ حالات قابو سے باہر ہوتے جا رہے تھے۔ وہ سب سے بڑا تھا۔ اس پر یوسف کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی۔ اس نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے کہا، سنو! اسے جان سے نہیں مارتے بلکہ کسی قریبی گڑھے میں پھینک دیتے ہیں۔ دیکھو، اسے اذیت نہ دینا، بس ذرا ڈرا دھمکا دینا۔

اس کا ارادہ تھا کہ جب کوئی بھی آس پاس نہیں ہوگا تو وہ حضرت یوسف کو بچا کر واپس باپ کے پاس بھیج دے گا۔

ادھر حضرت یوسف اس سازش سے قطعی بے خبر باپ کے حکم کی تعمیل اور بھائیوں کی محبت میں آگے ہی آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ ان کے پاؤں اس طویل سفر میں بری طرح زخمی ہو چکے تھے اس لئے چال میں قدرے لنگراہٹ آ گئی تھی۔ ان کے ہونٹوں پر پپڑی جمی تھی اور سخت پیاس لگ رہی تھی۔ بھائیوں پر نظر پڑتے ہی انہوں نے ہاتھ ہلایا اور دور ہی سے زور دار آواز میں سلام کیا۔ لیکن جواب میں گھمبیر خاموشی اور بھائیوں کے کرخت چہرے دیکھ کر ان کا دل کانپ اٹھا۔

اور پھر وہ آناً فاناً اپنے بھائی پر ٹوٹ پڑے اوہ! تو تم یہاں ہماری جاسوسی کرنے آئے ہو؟ انہوں نے حضرت یوسف کے جسم سے ان کی قباء کھینچ کر اتار دی۔ وہ دھڑام سے زمین پر آ رہے۔ شمعون نے اپنا بھاری پاؤں ان کی گردن پر رکھ دیا۔ بھائیوں نے اسے ایک رسی پکڑائی جس سے حضرت یوسف کو کس کر جکڑ دیا گیا۔ شروع شروع میں حضرت یوسف اسے بھائیوں کا مذاق سمجھتے تھے لیکن اب وہ تلخ

حقیقت نظروں کے سامنے آ چکی تھی۔ ان کے سامنے سارے بھائی بے نقاب ہو چکے تھے۔ وہ ان کے بھائی نہیں بلکہ ظالم قاتل تھے جو انہیں جان سے مارنے کے در پے تھے۔

شمعون نے اپنا چہرہ ان کے قریب لاتے ہوئے سسکارا، ہم تجھے جان سے مار ڈالیں گے اور بابا کو پتہ تک نہیں چلے گا۔ ہم انہیں بتا دیں گے کہ تمہیں کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہے۔ ہا! ہا! ہا!

سب بھائیوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا اور دان چلایا، خواب دیکھنے والا، ہمارا حاکم، ہمارا بادشاہ یہ جا رہا ہے!

حضرت یوسف کا خوف کے مارے بُرا حال تھا۔ انہیں اپنے سامنے موت نظر آ رہی تھی۔ خدا کیلئے میری جان بخش دو۔ بابا کی خاطر مجھے چھوڑ دو۔ آنسو ان کے رخساروں پر بہ رہے تھے۔ سسکیوں سے ان کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں تمہارا بھائی ہوں۔

لیکن بجائے رحم کرنے کے وہ ان کی منت سماجت کی نقل اتارتے رہے اور ان کی فریاد پر اپنے کان بند کر لئے، پھر بڑی بے رحمی سے انہیں ایک خشک کنوئیں میں پھینک دیا اور خود پاس ہی کھانا کھانے کیلئے بیٹھ گئے۔

حضرت یوسف کو ان کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ وہ اس خیال سے لرز اٹھے کہ بھائی تو مجھے جان سے مار دینے پر تلے ہوئے ہیں۔

چوتھا باب

مصر کا سفر

کافی دیر تک بے رحم بھائیوں کی کرخت آوازیں حضرت یوسف کے کانوں میں پڑتی رہیں۔ان کے خوفناک قہقہے ان کے دماغ کی رگیں پھاڑ رہے تھے۔پھر یوں لگا جیسے وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں اور ایک لخت ان کی یہ چیخم دھاڑ ایک گھمبیر خاموشی میں بدل گئی۔سناٹا کافی دیر تک طاری رہا جس سے حضرت یوسف نے اندازہ لگایا کہ اب وہ یہاں سے جا چکے ہیں۔گڑھے میں گرنے کی وجہ سے ان کا پورا جسم بری طرح دکھ رہا تھا۔رگڑ سے بایاں کندھا چھل چکا تھا۔ان کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ پیاس سے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے جس سے اذیت میں اضافہ ہو رہا تھا۔انہوں نے اپنی پسلیاں ٹٹولیں ہاتھ سے چھوتے ہی ایسی ٹیس اٹھی کہ سانس اوپر کا اوپر ہی رہ گیا۔

یہ جسمانی تکلیف تو اس تلخی کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھی جس نے ان کی رگ رگ میں زہر بھر دیا تھا۔وہ کانپنے لگے۔ان کے دل میں اپنے جلاد صفت بھائیوں کیلئے غصے،نفرت اور انتقام کا لاوا ابل پڑا۔اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ان کی روح کو کبھی کسی چیز نے اتنا گھائل و پامال نہیں کیا تھا۔اور تو اور انہیں اپنے باپ دادا کے خدا پر بھی بہت غصہ آ رہا تھا۔کیا انہوں نے خدا کی مرضی کی مطابق زندگی بسر نہیں کی تھی؟اگر چہ وہ جانتے تھے۔کہ جس علاقے میں ان کے بھائی ہیں وہ خطرے سے باہر ہے پھر بھی وہ سکم سے اتنا لمبا سفر کر کے ان کی خیریت معلوم کرنے آئے تھے۔یہ سب کچھ محبت ہی تو تھی۔خدا کی محبت،باپ کی محبت اور سب سے بڑھ کر ان بھائیوں کی محبت جس نے انہیں یہ سب کچھ کرنے پر آمادہ کیا تھا۔

گڑھے کی اس خوفناک تاریکی میں جہاں ان کی ہر طرف کیڑے مکوڑے رینگ رہے تھے،طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔کہیں میرا خدا بھی ان

دیوتاؤں کی مانند نہ ہو جو لوگوں کو اذیت پہنچا کر خوش ہوتے ہیں۔ حضرت یوسف نے اپنے دکھتے سر کو ہاتھوں میں تھام لیا۔ کیا واقعی خدا کا وجود ہے۔ یا وہ حضرت ابراہیم، حضرت اضحاق اور حضرت یعقوب کا خواب ہی تھا؟ کم از کم میں نے تو خدا کو آج تک نہیں دیکھا اور نہ اس کی آواز ہی سنی ہے۔

وہ کچھ دیر سوچ میں ڈوبے رہے۔ وسوسوں نے انہیں شک اور بے یقینی کے دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا کہ اچانک وہ چونکے زور سے اپنے سر کو جھٹکا اب وہ کلی طور پر اپنے حواس میں تھے نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابراہیم نے اپنے گھرانے کے تحفظ کو بھی ایک خواب کی خاطر داؤ پر نہیں لگایا۔ یقیناً خدا ان پر ظاہر ہوا تھا۔ اور جب انہیں ایک بالکل ان جانی جگہ پر جانے کا حکم ملا تھا تو یقیناً خدا اور ان کے درمیان اعتماد کا مضبوط بندھن موجود تھا۔ وہ دل سے خدا پر بھروسا رکھتے تھے۔

یہ خیال آتے ہی حضرت یوسف پر یہ بات واضح ہوگئی کہ خدا کی راہوں پر چلتے چلتے ان کے پردادا ابراہیم نے اپنے خداوند پر بھروسا کرنا اور اس سے محبت کرنا سیکھ لیا تھا۔ آزمائشیں ان کے ایمان کی مضبوطی کا باعث بنتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ خدا نے انہیں اس وقت تک اولاد عطا نہ کی جب تک کہ وہ ان کی بیوی کی عمر حد سے زیادہ نہ ہوگئی۔ پھر اس نے انہیں حضرت اضحاق بخشا تاکہ وہ جانیں کہ وہ قادر مطلق خدا ہے۔ ایک قابل اعتماد ہستی ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ حضرت اضحاق اور ان کے بیٹے یعقوب نے بھی جان لیا تھا کہ خدا شفیق اور وفادار ہے۔

حضرت یوسف کرب سے چلا اٹھے، اے میرے باپ دادا کے خدا، میری مدد کر۔ میری جان بچا لے۔ جب ایک طاقتور فوج میرے پردادا کو مٹانے کو تھی تو اس خوف کی حالت میں تو انہیں دکھائی دیا تھا۔ تو نے انہیں یقین دلایا تھا، میں تیری سپر اور تیرا بہت بڑا اجر ہوں۔ خدایا، اس وقت مجھے تیری حفاظتی سپر کی سخت ضرورت ہے۔ لیکن اس سے کہیں بڑھ کر میں تجھے جاننا اور تیری خدمت کرنا چاہتا ہوں خدایا،



خوفناک اور جھرجھرا دینے والی وحشت ناک جگہ میں بھی حضرت یوسف اب پر سکون تھے۔ انہوں نے ڈور اپنے باپ دادا کے خدا پر چھوڑ دی تھی۔ جو ہو سو ہو! خدا ان کے ساتھ ہے تو خوف کیسا؟ وہ خود ہی ان کے دکھ بانٹ لے گا۔ جب اس ہی پر بھروسا ٹھہرا تو خود ہی ان پر غالب آنے کی ہمت اور طاقت عطا کرے گا۔ انہیں خبر تک نہ تھی کہ وہ اب اس مشکل آزمائش پر غالب آ چکے ہیں۔ شیطان نے تو ان کے ایمان کو متزلزل کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے! خدا نے انہیں پہلے سے بھی کہیں زیادہ ایمان کی مضبوطی عطا کی تھی۔ وہ ان کو اپنے خاص کام کیلئے تیار کر رہا تھا۔ جس کیلئے ضروری تھا کہ وہ خود کو کلی طور پر اس کے سپرد کر دیں۔

اچانک وہ چونک پڑے۔ انہوں نے گھبرا کر اوپر دیکھا لاوی یہوداوہ اور آشر کے چہرے نیچے گڑھے میں جھانکتے نظر آئے۔ بھائیوں کو دیکھ کر ڈھاس بندھنے کی بجائے ان کے وجود میں خوف کی سرد لہر دوڑ گئی۔ اور پھر ایک کرخت آواز کی صدائے بازگشت گونجی، تو خواب دیکھنے والا نیند کے مزے لے رہا ہے کیوں؟ اور پھر خوفناک قہقہے ہر طرف بکھر گئے۔ انہوں نے بڑے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے سے نظریں ملائیں اور ایک رسی نیچے اتار دی

یہ پکڑو ذرا مضبوطی سے ہم اوپر کھینچ رہے ہیں تمہیں اف، یہ چھوکرا کتنا وزنی ہے۔ لگتا ہے باپ نے خوب کھلا پلا رکھا ہے اسے۔

جب حضرت یوسف گڑھے سے باہر نکلے تو ان کا حلیہ دیکھنے والا تھا۔ ان کا سارا جسم کیچڑ سے لت پت تھا اور زخموں سے رسنے والے خون نے مٹی کے ساتھ مل کر ان کی ہیت ہی بدل ڈالی تھی انہوں نے باہر آ کر سکھ کا سانس لیا انہیں یوں محسوس ہوا جیسے یک دم ساری بلائیں ٹل گئی ہیں۔ لیکن اگلے ہی لمحے گویا آسمان سر پر ٹوٹ پڑا۔ سب امیدوں پر پانی پھر گیا۔ گڑھے کے پاس تاجروں کا ایک قافلہ کھڑا تھا۔

قافلے کے سردار ایوب نے حضرت یوسف پر اچٹتی سی نظر ڈالی تو وہ سر سے پاؤں تک تھرا گئے۔ بڑے کاروباری انداز میں پست قد مگر موٹے تازے یوب کی متلاشی انگلیاں حضرت یوسف کے وجود کو ٹٹول رہی تھیں۔ پھر اس نے گرج کر کہا اپنا منہ کھولو

احساس ذلت سے حضرت یوسف کے کان کی لوئیں سرخ ہو گئیں۔اف میرے خدا، اس قدر تحقیر۔ان کا معائنہ اس طرح کیا جا رہا تھا جیسے وہ انسان نہیں بلکہ حیوان ہے جس کی سودا بازی ہو رہی ہے۔انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کے بھائی یہاں تک گر سکتے ہیں کہ اپنے باپ کے چہیتے، اپنے خون کو یوں غلاموں کی طرح بیچ دیں۔وہ اپنے بھائیوں کے آگے گھٹنوں کے بل گر پڑے اور گڑگڑا کر رحم کی بھیک مانگنے لگے، خدا کیلئے مجھے غلام بنا کر نہ بیچو۔ کچھ تو خیال کرو۔ بابا کیا کہیں گے؟ انہیں کیا جواب دو گے؟ وہ کیا کریں گے میرے بغیر؟

لیکن بجائے اس کے کہ چھوٹے بھائی کی دردناک آوازیں ان پر اثر کرتیں ان کے دل اور پتھر ہو گئے اور سب نے انہیں ڈانٹ کر خاموش رہنے کو کہا۔

حضرت یوسف بے بسی کے عالم میں ایک ایک چہرے کو تکتے اور التجا کرتے رہے اس امید پر کہ شاید کہیں رحم کی جھلک نظر آ جائے آخر ان کی پر امید نگاہیں یہوداہ پر ٹھہر گئیں۔انہوں نے سوچا کہ بڑا بھائی ہونے کے ناتے اس کا دل ضرور پسیج جائے گا۔وہ درد کی شدت سے کراہتے اور نقاہت سے رینگتے ہوئے سرکے، یہوداہ کے پاؤں پکڑ لئے اور رو رو کر التجا کرنے لگے۔

یہوداہ بھائی! دیکھو میں تمہارا بھائی ہوں نا؟ اگر میری کوئی بات آپ کو بری لگی ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔ جیسے آپ کہیں گے ویسے ہی کروں گا۔خدا کے واسطے مجھے ان لوگوں کے ہاتھ نہ بیچو۔ یہ مجھے غلام بنالیں گے۔مت کرو یہ ظلم بھائی رحم کرو۔

حضرت یوسف کی دردبھری فریاد نے پتھر کو نرما دیا۔یہوداہ کی آنکھوں میں رحم کی

جھلک دیکھ کر دان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے حضرت یوسف کو زوردار ٹھوکر ماری اور غصے سے غرایا بہت ہو چکا بند کرو اپنی یہ بکواس۔

بڑی بے دردی سے حضرت یوسف کر پکڑ کر اٹھا کھڑا کیا گیا۔ ان کی حالت غیر ہوئی جا رہی تھی۔ ہر چہرہ اجنبی لگ رہا تھا۔ ہر نظر پرائی ہو چلی تھی۔ ان کا انگ انگ بری طرح دکھ رہا تھا۔ زخموں سے رستے ہوئے خون میں مٹی کی آمیزش سے جلن اور تڑپ میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ باپ کی پیار بھری گود کے بعد اچانک غلامی کی ذلت آمیز زندگی کا تصور ہی رونگٹے کھڑے کئے دے رہا تھا۔

ادھر یوب کی بحث و تکرار کی وجہ سے سودا طے نہیں ہو پا رہا تھا۔ شمعون کا صبر کا پیمانہ اب تک لبریز ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ یہوداہ اپنا ارادہ بدل لے وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد یوسف سے چھٹکارا حاصل کر لے۔ لہٰذا اس نے معاملہ طے کرتے ہوئے بس ایک ہی بات کہی

یوب! بس آگے کچھ نہیں 20 روپے پر بات ختم کرو اور اس منحوس کو ہماری نظروں سے دور لے جاؤ۔

یہ جملہ حضرت یوسف کے لئے ایک دھماکے سے کم نہ تھا۔ انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کے بھائی انہیں یوں کوڑیوں کے مول بیچ ڈالیں گے۔ نفرت کتنی اندھی ہوتی ہے اور حسد کی آگ کتنی تیزی سے سب کچھ بھسم کر ڈالتی ہے۔ اس کا اندازہ انہیں آج ہوا جب انہوں نے حقیقی خون کو سفید ہوتے دیکھا۔

ادھر یوب کو یقین نہیں ہو رہا تھا۔ اتنا سستا سودا تو اس نے زندگی میں کبھی نہیں کیا تھا۔ اس کی گول مٹول آنکھیں خوشی سے ٹمٹما رہی تھیں۔ اس نے جلدی جلدی حضرت یوسف کے ہاتھوں اور پیروں میں زنجیریں ڈالیں اور قافلے کو کوچ کا حکم دیا۔

یوب حضرت یوسف کے بھائیوں سے اچھا معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے پلٹ کر

حیرت سے ان پر باری باری نظر ڈالی۔شاید دل میں یہ سوچ رہا ہو کہ کیا زمانہ آ گیا ہے کہ سگے بھائی اپنے چھوٹے بھائی کا سودا چند روپوں میں کر رہے ہیں اور اس کے دل کی فریاد کا ان پر رتی برابر اثر نہیں ہوتا۔تاہم اس نے اپنے ان احساسات اور جذبات کا اظہار نہ ہونے دیا۔

قافلہ مصر کی جانب رواں دواں تھا۔حضرت یوسف کے دل میں وسوسوں اور اندیشوں نے گھر کر رکھا تھا۔سارا راستہ وہ سسکیاں بھرتے رہے اور کسی نے ان سے بات تک نہ کی حتیٰ کہ یوب نے بھی انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ان پر قیامت گزر گئی۔ان کی فریاد نے زمین آسمان کو ہلا دیا۔فضائیں کانپ کانپ گئیں لیکن ان کے بے حس بھائیوں پر ذرہ برابر اثر نہ ہوا۔وہ حسب معمول اپنے ریوڑ چرانے لوٹ گئے۔ان میں سے ایک نے بڑے بیزار کن لہجے میں سکوت کو توڑا۔کم بخت! ہر وقت اعصاب پر سوار رہتا تھا۔شکر ہے جان چھوٹ گئی۔کھانا پینا حرام کر رکھا تھا۔آج تو ڈٹ کے کھائیں گے۔

ابھی انہیں سکھ کا سانس لئے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ آشر کی نظر دور آتے ہوئے روبن پر پڑی جو گڑھے کے پاس آ کر رک گیا تھا۔اس نے بھائیون سے کہا ارے وہ دیکھو روبن واپس آ گیا ہے۔گڑھے کے پاس کھڑا ہے۔شاید ابھی تک یہی سمجھتا ہے کہ یوسف وہیں پڑا ہے۔جب سے معلوم ہو گا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے تو وہ ضرور کچھ نہ کچھ کہے گا۔

یہوداہ بڑبڑاتے ہوئے بولا روبن کو تو ہم بھول ہی گئے تھے۔وہ دو تین میں گیا تھا۔حیرت ہے اس نے اتنی دیر کہاں لگا دی آخر؟ سب کے چہروں پر فکر مندی کے آثار نمایاں تھے۔

اسی اثناء میں روبن گڑھے میں حضرت یوسف کو آوازیں دیے جا رہا تھا۔بھائی! یوسف بھائی! سنو یہ رسی پکڑ لو۔دیکھو تمہاری ساری سختی ٹل گئی ہے۔تمہارے لئے تو

تھوڑا صدمہ ہی بہت ہے۔ اس نے گھٹنوں کے بل ہو کر رسی کو گڑھے میں پھینکا تو پھر اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حضرت یوسف کے وجود کو تلاش کرنے لگا۔ لیکن گہری تاریکی میں اسے کچھ بھی سجھائی نہ دیا۔ پھر اس نے بڑی منت سے پکار کر کہا! دیکھو یوسف! تمہیں بھی میرا ساتھ دینا ہوگا۔ نادان نہ بنو۔

جب اتنا پکارنے پر بھی کسی نہ کسی بات کا جواب ملا اور نہ کسی نے رسی کو ہی تھاما تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے گہرے گڑھے میں ایک بار پھر حضرت یوسف کو ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ اب تک اس کی آنکھیں اندھیرے سے قدرے مانوس ہو چکی تھیں۔ گڑھا خالی تھا۔ اسے شدید دھچکا لگا۔ وہ وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ یوسف کا کیس ہوا؟ انہوں نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور سیدھا اپنے بھائیوں کی طرف بھاگ نکلا۔ وہ غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ صدمے سے نڈھال اس نے احتجاجاً اپنے کپڑے تک پھاڑ ڈالے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے انتہائی اضطرابی کیفیت میں مطالبہ کیا یوسف کہاں ہے؟

جواب میں گہری خاموشی پا کر وہ ان کے چہروں کے تاثرات سے سمجھ گیا کہ اب یوسف یہاں نہیں رہا۔ وہ کرب سے چلا اٹھا، کہاں ہے یوسف؟ میں پوچھتا ہوں کہاں ہے ہو؟ یہوداہ، جواب دو پہلوٹھا ہونے کے ناتے میرا حق ہے کہ میں جانوں کہ تم نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے؟ نالائقو! بے رحم درندو! اس کا خمیازہ مجھے ہی بھگتنا پڑے گا۔ اس کے سر پر گویا جنون سوار تھا۔ لیکن اس تمام تر ہمدردی کے پس منظر میں افسوناک پہلو تو یہ تھا کہ وہ یہ سب کچھ حضرت یوسف کی محبت میں نہیں کہہ رہا تھا بلکہ اسے اپنی فکر لاحق تھی۔ جہاں تک یہوداہ کا تعلق تھا اس نے کم از کم حضرت یوسف کو بھائیوں کے ہاتھوں مرنے سے بچانے کیلئے انہیں بیچ دینے کی تجویز پیش کی تھی۔ موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اس کے ذہن نے فوراً کام کیا۔ اس نے حضرت یوسف کا چغہ نکالا اور اسے دکھاتے ہوئے سارا قصہ روبن کو کہہ سنایا۔

پھر بڑے غیر جذباتی انداز میں بولا اس طرح یوسف کا خون ہماری گردن پر نہ ہوگا۔ بابا خود ہی سمجھ جائیں گے کہ ان کے چہیتے کا کیا حشر ہوا ہے۔ ہمارا کام فقط اتنا ہے کہ اس چغے کو بکرے کے خون میں ڈبو کر بابا کو دکھا دیں اور بس۔ آگے وہ جو چاہیں اندازہ لگالیں۔ پھر یہوداہ نے سب کو اپنی تیز چبھتی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے مہر لگا دی۔ آج کے بعد ہم میں سے کوئی بھی یوسف کا نام تک اپنی زبان پر نہیں لائے گا سمجھے۔

اتنا بڑا سانحہ ہو گیا، لیکن فضا ویسی ہی پرسکون تھی۔ حضرت یوسف کے بھائیوں کے ریوڑ پر دور اوپر فضا میں ایک عقاب چکر کاٹ رہا تھا۔ جھاڑیوں کے پیچھے سے ایک ننھا سا خرگوش پھدکتا ہوا باہر نکل رہا تھا۔ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ فضا میں رس گھول رہی تھی اور پرندوں کی چہچہاہٹ نے ماحول کو نغمگین بنا ڈالا تھا۔ ایسے میں حضرت یوسف کے بھائی اپنی اندرونی کشمکش پر غالب آ کر زندگی کو معمول پر لانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ لیکن ہزار کاوش کے باوجود اپنی روح میں چبھے اس کانٹے کو نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکے جو آئندہ 25 سال تک ان کیلئے ناسور بننے والا تھا۔

شام کے سائے ڈھلنے لگے تھے۔ برادران یوسف اپنی خیمہ بستی کی طرف ریوڑ ہنکائے لئے جا رہے تھے۔ سورج دور افق کے پار تاریکی میں ایک بڑی سرخ گیند کی مانند لڑھکتا ہوا غروب ہو رہا تھا۔ جیسے ہی وہ اپنے خیموں کے پاس پہنچے عدہ اور انوس نے انہیں بڑے پیاس بھرے انداز میں سلام کیا۔ انور گوشت بھون رہا تھا اور پاس ہی عدہ آٹا گوندھنے میں مصروف تھی۔ بھنے ہوئے گوشت میں سبزی کی ملی جلی خوشبو دیوانہ کیے دے رہی تھی۔ اور پھر رائتہ بھی بنا پڑا تھا۔ سب کی بھوک چمک اٹھی۔ انوس نے چہکتے ہوئے کہا، کھانا بالکل تیار ہے بس ایک منٹ میں روٹیاں بھی بن جاتی ہیں۔

یہ سب کچھ دیکھ کر شمعون کے منہ میں پانی بھر آیا، بھئی مجھ سے تو اور زیادہ صبر نہ ہو سکے گا۔ سب نے ہم آواز ہو کر اس کی تصدیق کی۔

غدہ نے ایک نظر سب پر ڈالی اور پھر بھنوؤں کو یوں سکیڑا جیسے کچھ اچانک یاد آ گیا ہو۔ پھر حیرت سے پوچھنے لگی راستے میں یوسف نہیں ملا تمہیں؟ کل انوس جب باہر گیا تھا تو قسم سے اس نے دور سے یوسف کو دیکھا تھا ہاں وہ یوسف ہی تھا۔

روبن نے جھٹ سے خون آلودہ چغہ نکال کر اسے دکھایا اور چہرے پر مصنوعی افسردگی طاری کرتے ہوئے کہا غدہ! تم ٹھیک کہتی ہو۔ یقیناً وہ ہی ہو گا ہمیں تو یوسف نہیں بلکہ صرف یہ کپڑے ملے ہیں۔ لگتا ہے اسے کسی جنگلی درندے نے پھاڑ کھایا ہے۔ سچ کیا ہے یہ جاننے کیلئے کل خیمے اکھاڑ کر گھر چلیں گے۔

غدہ کی تو چیخ ہی نکل گئی۔ یہ تو بے شک یوسف ہی کا چغہ ہے۔ سچ مچ یوسف کا چغہ ہے یہ اف میرے خدایا! تو کیا وہ مر گیا؟ میرا اتنا جوان، اتنا خوبصورت، اتنا اچھا بھائی ہم سے بچھڑ گیا؟ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ انوس بھی اس آہ و زاری میں شریک ہو گیا۔ وہ کھانا لگاتے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی بندھی تھی۔ دو معصوم، محبت بھرے اور پر خلوص دل ماتم کر رہے تھے۔ آنکھیں چھلک رہی تھیں اور حیران تھیں کہ سگے بھائی اپنے چھوٹے بھائی کی موت پر کس بے حسی سے ڈٹ کر کھا رہے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ نہ ان کی آنکھیں نم تھیں اور نہ چہرے پر ہی کسی پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔

وہ پتھر دل شیطان اگرچہ خود میں باپ کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہ پا رہے تھے لیکن پھر بھی ڈھٹائی کا یہ عالم تھا کہ خون آلود چغہ لے کر اپنی من گھڑت کہانی لئے چند دنوں کے سفر کے بعد سہ پہر کو اپنی خیمہ بستی میں جا پہنچے۔ بنیمین اچھلتا کودتا ان سے ملنے کو دوڑا اور بڑی معصومیت سے بولا، یوسف بھائی کہاں ہیں؟ انہیں ایک چیز دکھانی ہے۔

حضرت یعقوب بڑی بے چینی سے خیمے سے باہر نکل آئے۔ ان کی متجسس نگاہیں اپنے بیٹے یوسف کو تلاش کر رہی تھیں۔ انہوں نے بڑی بے قراری سے پوچھا یوسف کو تم نہیں ملے کیا؟

روبن کی تو جیسے زبان گنگ ہوگئی ہو ہزار کوشش کے باوجود وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ پایا۔ اس نے خاموشی سے خاک و خون میں لتھڑا ہوا چغہ اپنے باپ کو تھما دیا۔

شمعون دھیمی آواز میں بولا، بابا ہمیں یہ کپڑے ملے ہیں کہیں یہ آپ کے بیٹے یوسف کے تو نہیں؟

اس چغے کو تھامتے ہی حضرت یعقوب کے ہاتھوں میں لرزہ طاری ہو گیا۔ زندہ بڑھاپا جوان موت کا صدمہ برداشت نہ کرسکا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس لبادے کو دیکھ رہے تھے۔ جسے بڑے چاؤ بڑے ارمانوں سے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ انہوں نے اپنے لاڈلے بیٹے کو پہنا کر رخصت کیا تھا۔ اور اب وہ بے جان پارچہ اس کی موت کا پیام بن کر ان کے ہاتھوں میں مسلا پڑا تھا۔ ایسی کرب ناک گھڑی تو خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ وہ صدمے سے چلا اٹھے اور ایک دل دوز چیخ فضاؤں کو چیر گئی۔ ہاں! ہاں! یہ کپڑے یوسف ہی کے ہیں۔ میرا بیٹا یوسف! اسے ضرور کسی جنگلی جانور نے پھاڑ ڈالا ہے۔ میرے بچے یوسف کو چیر پھاڑ ڈالا ہوگا ظالم نے۔

حضرت یعقوب کی آہ و زاری سن کر سارا قبیلہ اکٹھا ہو گیا اور صف ماتم بچھ گئی۔ ان کی حالت غیر ہوئی جا رہی تھی۔ انہوں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور ٹاٹ اوڑھ لیا۔ انہوں نے سوچا کیا تھا اور ہو کیا گیا! سب تدبیریں الٹی ہوگئیں۔ انکا کلیجہ غم سے بری طرح چھلنی ہو چکا تھا۔ بیٹے کے صدمے نے باپ کو نڈھال کر ڈالا تھا۔

بنیمین کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اب امید کی چمک تھی۔ وہ اب بھی اسے ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ دکھ سے چلا اٹھا ڈھیروں سوال اس کے ننھے سے ذہن میں ابھر رہے تھے۔

یوسف بھائی کو شیر نے کھایا ہے یا بھالو نے؟

کیا اس نے یوسف بھائی کے بازو اور ٹانگیں بھی چبا ڈالیں؟

یوسف! مجھے یوسف بھائی سے ملنا ہے

کیا یوسف بھائی کبھی گھر لوٹ کر نہیں آئیں گے؟

لیاہ نے بنیمین کو مضبوطی سے اپنی بانہوں میں جکڑ لیا۔ وہ راخل کے بیٹے یوسف کیلئے اس طرح بین کر رہی تھی جیسے وہ اس کی بہن کا نہیں بلکہ اس کی اپنی کوکھ سے جنا بیٹا ہو۔ حضرت یعقوب کی خیمہ بستی میں ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ ان کی تمام حرمیں اور بہو بیٹیاں اپنے سردار کو تسلی دینے کی حتی المقدور کوشش کر رہی تھیں لیکن بے سود۔

ادھر حضرت یعقوب کے منافق بیٹے اپنے آپ کو بہت غمگین اور دکھی ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ بار بار اپنے بھائی کے چغے کو دیکھنے کو کہتے جیسے انہیں واقع اس کا بڑا صدمہ ہو۔ ساتھ ہی وہ اپنے باپ پر اپنی محبت جتا رہے تھے۔ اور ان کا بڑا خیال رکھ رہے تھے۔ لیکن دکھی باپ کا دل کسی قسم کی تسلی قبول نہ کرتا تھا۔ باپ کی زبان پر بس ایک ہی بات تھی۔ میں تو ماتم ہی کرتا ہوا قبر میں اپنے بیٹے سے جا ملوں گا۔

جب ماتم کے دن پورے ہو گئے تو بھائیوں کا خیال تھا کہ وہ یوسف اور اپنے اس شرمناک فعل کو بھی یکسر بھلا دیں گے۔ لیکن خدا نے انہیں اس کوشش میں کامیاب نہ ہونے دیا۔

حضرت یعقوب بالکل ہی دل چھوڑ چکے تھے۔ وہ اس مشکل وقت میں ساتھ نباہنے والی اپنی بیوی لیاہ کے کتنے شکر گزار تھے۔ اب ان کے سامنے ان کی محبوبہ بیوی راخل کا بیٹا بنیمین تھا جو ان کی آنکھوں کا تارا تھا۔ ماں اور بھائی کے بعد اب وہ اکیلا رہ گیا تھا۔ اسے پیار کی ضرورت تھی۔ اور اس طرح دنیاوی آس کی کڑی سے کڑی مل جانے سے حضرت یعقوب خدا کے اور قریب آ گئے۔ انہوں نے خدا کا دامن اور

مضبوطی سے تھام لیا۔انہیں یہ دیکھ کر انتہائی دکھ ہوتا تھا کہ ان کے بیٹے روحانی طور پر بالکل مردہ ہیں۔لیکن پھر انہوں نے اپنا یہ بوجھ خدا پر ڈال دیا اے خدا!تو قادر مطلق ہے۔تو نے میری زندگی میں بڑا معجزہ کیا ہے کہ مجھ جیسے خطا کار انسان کو مرد خدا بنا ڈالا ہے۔مجھے امید ہیکہ تو میرے بیٹوں کی زندگی کو بھی بدل ڈالے گا۔

پانچواں باب

آزمائش

یوب کی کرخت آواز فضا میں گونجی۔اب ہم کوچ کریں گے۔اوراس کے ساتھ ہی مدیانیوں کا قافلہ مسالہ جات، روغن، بلسان، مر اور تین عدد غلاموں سے جن میں حضرت یوسف بھی شامل تھے لدا پھندا روانہ ہو گیا۔ ادھیڑ عمر غلام بڑا بیزار اور تلخ مزاج معلوم ہو رہا تھا۔ جبکہ چودہ سالہ غلام قدرے چالاک دکھائی پڑتا تھا۔ یوب نے اس شریر کو خبردار کرتے ہوئے کہا حدا دیکھو میرے ساتھ کسی قسم کی چالاکی نہیں چلے گی۔ورنہ ایسی پٹائی کروں گا کہ عمر بھر یاد رکھو گے۔

حضرت یوسف اپنے ہی خیالوں میں کھوئے ہوئے تھے۔انہیں گھر کی یاد بری طرح ستا رہی تھی۔ان کا جی چاہ رہا تھا کہ سارے بندھن توڑ کر ایک ہی جست میں اپنے گھر پہنچ جائیں۔انہوں نے آخری بار بڑے درد بھرے انداز میں پلٹ کر دیکھا۔انہیں یقین نہیں آرہا تھا کیا واقعی ان کا پیارا گھر، ان کا گھرانا، باپ کے سائے میں تحفظ کا احساس اور ہر وہ چیز جو انہیں اچھی لگتی تھی ان سے چھن گئی ہے؟ وہ انہی سوچوں میں گم تھے کہ ان کا پاؤں کسی چیز میں پھنس گیا جس سے وہ لڑکھڑا کر گر پڑے۔قافلے میں موجود ایک تاجر نے ایک موٹی سی گالی دی اور بیچارے حضرت یوسف کی پیٹھ پر کوڑوں کی بارش کر دی، اے عبرانی لڑکے! احمق نہ بنو ہاں! ہمارے کوڑوں کے اشاروں پر ناچنا سیکھو، اس کی آواز میں بلا کا غرور تھا۔

حضرت یعقوب کے نازوں پلا بیٹا ڈگمگاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔آنکھوں میں شدت درد سے گرم گرم آنسو تیرنے لگے۔لیکن آخر وہ سنبھل گیا۔ایک آزاد پنچھی جس نے سدا کھلی فضاؤں میں سانس لیا ہو، جو زندگی بھر کائنات کو اپنی مٹھی میں لئے پھرا ہو جب اس کے پر کتر دئے جاتے ہیں یا پنجرے میں بند کر دیا جاتا ہے تو یہ اسیری اس کی زندگی میں کتنی تلخیاں بھر دیتی ہے! حضرت یوسف کی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی



ایسے میں پیاس کی شدت سے نڈھال خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے عمر رسیدہ غلام نے سوچا، یہ لوگ یہاں ہمیں پینے کو پانی بھی دیں گے یا نہیں۔ اتنے میں ان کی نظر ان تاجروں پر پڑی جو کھا پی کا تازہ دم ہو رہے تھے۔ اس غیر انسانی حرکت پر اسے تاؤ آ گیا اور پھر چنگھاڑتے ہوئے کہا یوب! ہمیں بھی پانی پلاؤ، ایسا نہ ہو کہ منزل تک پہنچتے پہنچتے ہم آدھے بھی نہ رہیں۔ اس میں تمہارا ہی نقصان ہے۔ کچھ بھی نہ کما پاؤ گے۔

یوب نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور پھر بڑے نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا پانی کی چھاگل منہ سے لگائے اس کی طرف بڑھا۔ اور اس کے سامنے رک کر دانت کچکچا کر بولا، غلیظ پلے! اپنا منحوس منہ بند رکھ پانی چاہیے نا! یہ لے پانی۔

یہ کہہ کر اس نے چھاگل اس کے منہ پر انڈیل کر خالی کر دی اور بولا، ایک بات کان کھول کر سن لو۔ تمہیں پانی صرف شام کو ملے گا اور وہ بھی اونٹوں کو پلانے کے بعد سمجھے؟

اس سے پہلے کہ کوئی دوسرا شخص گندی زبان استعمال کرتا حضرت یوسف نے بڑی عاجزی سے کہا آقا! آپ اسے پانی پلا دیجیے۔ میں آپ کے اونٹوں کو پانی پلا دوں گا اور چارا بھی کھلا دوں گا۔ آپ جو کام بھی کہیں گے میں خوشی سے کر دوں گا۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ وہ بوڑھا غلام حضرت یوسف کی اس نیکی سے خوش ہونے کی بجائے اور خفا ہو گیا اور بجائے شکر گزار ہونے کے انہیں برا بھلا کہنے لگا کہ یوسف نے یوب کی منت سماجت اور خوشامد کیوں کی۔

جہاں تک حضرت یوسف کی عاجزی کا تعلق ہے، یوب کو ان کی یہ بات بہت بھائی وہ اس کی نظروں میں جچنے لگے۔ اور یہ جان کر تو اسے اور بھی خوشی ہوئی کہ اس عبرانی لڑکے کو مصری زبان بھی تھوڑی بہت آتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ پڑھا لکھا بھی ہے۔

اب قافلہ دریائے نیل کے کنارے کنارے آگے بڑھ رہا تھا۔ دور سے حضرت یوسف کو وہ اہرام نظر آ رہے تھے جو مرحوم مصری بادشاہوں کی یادگاریں تھیں۔ حضرت یوسف تو شروع ہی سے ثقافت کے دلدادہ تھے۔ ان پر نظر پڑتے ہی غیر ملکی کلچر میں دلچسپی کے جذبے نے جوش مارا اور وہ یوب سے مصری زندگی کے بارے میں پوچھنے لگے۔

تاجر نے بڑے فخر سے کہا میں شرط لگا کر کہہ سکتا ہوں کہ تمہارے گھرانے کے کسی شخص نے آج تک مصر کی سرزمین پر قدم بھی نہیں رکھا ہو گا۔

لیکن حضرت یوسف نے اس کی توقع کے برعکس اسے بتایا کہ ان کے پردادا ابراہیم کنعان میں پڑنے والے ایک بڑے قحط سے بچنے کیلئے مصر گئے تھے۔

ہاں! آج بھی اکثر قحط سے بچنے اور اپنے مویشیوں کو بچانے کیلئے چرواہے ایسا ہی کرتے ہیں

گرمی کی شدت میں اب مزید اضافہ ہو چلا تھا۔ چلچلاتی دھوپ وجود کو بھونے دے رہی تھی۔ یوب نے ایک بھرپور انگڑائی لی اور اونگھ گیا۔

حضرت یوسف خیالوں ہی خیالوں میں اپنے پردادا کے اس دور میں پہنچ گئے جو انہوں نے مصر میں گزارا تھا۔ وہ سوچنے لگے بدقسمتی سے انہوں نے یہ قدم ضرور گھبراہٹ کے عالم میں اٹھایا ہو گا۔ اس کیلئے انہوں نے خدا سے راہنمائی بھی حاصل نہیں کی ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ جونہی وہ وہاں پہنچے مشکلات میں گھر گئے۔ سرحد پار کر کے مصر میں داخل ہونے سے پہلے حضرت ابراہیم نے اپنی بیوی سے درخواست کی تھی کہ وہ مصریوں کو یہی بتائے کہ وہ ان کی بیوی نہیں بہن ہے۔ اس کی وجہ سارہ کی خوبصورتی تھی۔ لہٰذا اس کے خاوند کو ڈر تھا کہ کہیں ان کی بیوی چھیننے کی خاطر انہیں قتل نہ کر دیں۔

ان کا خوف بجا تھا کیونکہ جونہی مصریوں کی نظر سارہ پر پڑی انہوں نے بادشاہ

سے اس کے حسن کا چرچا کیا۔ جب بادشاہ کو یہ علم ہوا کہ وہ حضرت ابراہیم کی بہن ہے تو وہ اسے اپنی حرموں میں شامل کرنے کیلئے لے گیا۔ اس کے بدلے میں بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو ڈھیروں بھیڑ بکریوں، مویشیوں، گدھوں، اونٹوں اور غلاموں سے نوازا۔

حضرت یوسف نے بھنویں سکیڑتے ہوئے سوچا، اگر خداوند بروقت مداخلت نہ کرتا تو یقیناً پردادا اپنی بیوی سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ خدا نے بادشاہ کے محل میں رہنے والوں کو ایک خوفناک بیماری میں مبتلا کر دیا۔ حاکم پریشان ہو گیا اور اس بیماری کی وجہ جاننے کی کوشش کی۔ چنانچہ خداوند نے اس پر ظاہر کیا میں نے تمہیں اس لئے سزا دی کیونکہ تم نے میرے نبی کی بیوی کو اپنی حرموں میں شامل کر لیا ہے۔

خدا کے ایک خادم کیلئے ایک بت پرست کے منہ سے یہ الفاظ سننا کس قدر ہتک آمیز بات ہے تم نے جھوٹ کیوں بولا؟ یہ رہی تمہاری بیوی۔ میں نے اسے چھوا تک نہیں۔ اسے لے کر فوراً مصر سے نکل جاؤ۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ یعنی خدا کے دوست اور نبی تھے وہ مرد خدا اور ایک راستباز شخص تھے لیکن آزمائش کے اس لمحے میں اپنی جان بچانے کی خاطر ان سے اتنی بڑی غلطی سرزد ہوئی۔ تاہم خدا کی بروقت مداخلت کے باعث ان کی بیوی اور مصری حاکم تباہی اور گناہ کے ارتکاب سے بچ گئے۔

یہ واقعہ یاد کرتے ہوئے حضرت یوسف نے عہد کیا کہ وہ کسی قیمت پر بھی اپنی زندگی سے خدا کے نام کی توہین نہیں ہونے دیں گے۔ انہوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ اپنے پردادا کی غلطی سے سبق سیکھ کر اپنی راہیں درست رکھیں گے۔

آخر کار فرعون یعنی مصر کے بادشاہ کا عظیم شہر نظر آنے لگا۔ قافلہ اپنی منزل پر تقریباً پہنچ چکا تھا۔ کھلے میدانوں، وسیع چراگاہوں، حسین وادیوں اور دور دور تک پھیلے مظاہر فطرت کی گود مین پلنے والا یہ ننھا چرواہا جب ان وسیع شاہراہوں اور بلند

ایوانوں میں سے گزر رہا تھا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔شہر کے بڑے بڑے دروازے، مختلف دیوتاؤں کے سنہرے مندر اور ہر طرف ٹھاٹھیں مارتا ہوا لوگوں کا ہجوم، ان سب چیزوں نے اسے حیران کر دیا۔ اور سب سے بڑی کر فرعون کا محل جو بذات خوف ایک شہر سے کم نہ تھا دیکھ کر تو ان کا دل گھبراہٹ سے زور زور سے دھڑکنے لگا۔ کتنے اطمینان کی بات تھی کہ وہ ان حالات میں تنہا نہیں تھے بلکہ خدا نے بار بار انہیں تسلی دی کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ تیرے پردادا کی مصر میں آمد تو میری مرضی کے خلاف تھی لیکن تیرا یہاں آنا میرے منصوبے کے عین مطابق ہے۔ میری راہوں پر چل اور بے داغ رہ۔

قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا کہ اچانک یوب نے رکنے کا حکم دیا۔ اس کی نظر ایک مصری پر پڑی تھی جس سے وہ بخوبی واقف تھا۔ وہ بڑی راز داری سے اس کے قریب گیا اور کہنے لگا، یابل! معزز سپہ سالا فوطیفار کیلئے میرے پاس ایک خاص غلام ہے۔

اس مصری نے کاروباری تاجر کو تکبرانہ انداز میں سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور بلند آواز مین بولا، فوطیفار کیلئے جانتے ہو بہترین چیز ہونی چاہیے۔ اس کا تعلق اعلیٰ معزز گھرانے سے ہے جسے ہر چیز بہترین معیار کی درکار ہوتی ہے!

یوب کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ کیا میں یہ سب کچھ نہیں جانتا! آؤ، خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔

جونہی یابل کی نظر حضرت یوسف کے گٹھے ہوئے جسم پر پڑی تو خوش ہو گیا۔ یوب نے اپنے اس جوان غلام کی تمام تر خوبیاں بڑی سرگرمی سے گنوانا شروع کر دیں۔ پھر آخر میں اس نے کہا، اور سب سے بڑی بات، یوسف ایمان دار ہے۔

یہ بات اس نے ایسے کہی جیسے کوئی قیمتی ہیرا اس کی مٹھی میں تھما دیا ہو۔ یابل نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ یہ نوجوان اسے سلجھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ آنکھوں

میں سچائی کی چمک تھی اور ساتھ ساتھ ذہانت اس کے چہرے سے ٹپکتی تھی۔ لہذا بغیر کسی سودے بازی کے یابل نے اپنی تھیلی نکالی اور یوب کے منہ مانگے دام ادا کر دیئے۔ پھر بڑے حاکمانہ انداز میں گرجا، اس کی ہتھکڑیاں اتار دو۔ یوب ذرا ان رستے ہوئے زخموں کو دیکھو۔ کیا حال کر رکھا ہے تم نے اس لڑکے کا؟

یہ سنتے ہی حضرت یوسف نے فوراً یوب کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا، انہوں نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے۔ یہ زخم تو پہلے سے ہیں۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں۔

دیکھا تم نے؟ میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ یہ نوجوان ایماندار ہے۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ فوطیفار کے گھر میں ایسا ایماندار کوئی نہیں ہو گا۔

جب یابل حضرت یوسف کو لے جا رہا تھا تو اس نے ان کے چہرے پر غم کے گہرے سائے پھیلتے ہوئے دیکھے۔ اس کا جی چاہا کہ وہ ان پر بیتی واردات کی روداد سنے۔ اس کے دل میں پدرانہ شفقت کے جذبے نے جوش مارا۔ حضرت یوسف کو بچانے کی خواہش ابھری۔ اور اس نے اس نئے غلام کو اپنے سائے تلے پناہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ جب وہ فوطیفار کے عالی شان گھر میں داخل ہوئے تو بوڑھا یابل بڑے معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ حضرت یوسف بہت مرعوب نظر آ رہے تھے۔ ہر طرف سنگ مرمر کا فرش بچھا تھا۔ فرنیچر پر لکڑی کا نہایت باریک کام کیا گیا تھا اور دیواروں پر خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ ایک ایسے لڑکے کیلئے جو خیموں میں سادہ زندگی بسر کرنے کا عادی تھا یہ سب کچھ عجوبے سے کم نہ تھا۔

یابل جو غلاموں کا داروغہ تھا نے حکم دیا کہ حضرت یوسف کی حجامت بنوائی جائے اور نہلا دھلا کر انہیں صاف ستھرے کپڑے پہنائے جائیں۔ پھر وہ اس نئے غلام سے مخاطب ہو کر بولا، یوسف! ہم تمہیں مصری رنگ میں رنگ دیں گے۔ سب سے پہلے تمہاری ڈاڑھی صاف کرنی ہو گی۔ اور ہاں یاد رکھو، ہم مصری لوگ صفائی کا بڑا

خیال رکھتے ہیں۔

حضرت یوسف نے مودبانہ انداز میں جھکتے ہوئے جواب دیا، جناب! میں اس بات کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔آپ مجھ پر اعتماد کریں۔میرا ظاہر ہی نہیں باطن بھی آپ کو پاک صاف ملے گا۔میں فوطیفار کے گھر میں ایسے ہی خدمت کروں گا جیسے اپنے باپ دادا کے خدا کی کررہا ہوں۔

جب وہ جوان غلام نہا دھو کر یابل کے سامنے آیا تو وہ اس کی وجاہت دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔

حضرت یوسف اپنے عہد پر پورے اترے۔انہوں نے اپنے ظاہر و باطن کی پاکیزگی قائم رکھی اور اپنے آقا کی ایسے خدمت کرتے رہے جیسے کہ خدا کی۔یابل حیران رہ گیا کہ انہوں نے کس احسن طریق سے خود کو فوطیفار کے گھر کے ماحول میں ڈھال لیا ہے۔جلد ہی انہوں نے اپنی خندہ پیشانی اور خوش بیانی سے ہر فرد کا دل موہ لیا۔

یابل نے حضرت یوسف کی ابھرتی ہوئی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے انہیں گھر کا انتظام کرنے کے طریقے سکھانے شروع کر دیئے۔جلد ہی فوطیفار کے گھر کا سارا اختیار حضرت یوسف کے ہاتھ میں دے دیا گیا اور اس طرح سارا نظام بڑے اچھے طریقے سے چلنے لگا۔جب فوطیفار نے اپنے گھریلو نظام میں اتنی خوشگوار تبدیلی دیکھی تو اس میں سبب جاننے کا تجسس پیدا ہوا۔اور یہ معلوم کر کے کہ یہ سب حضرت یوسف کا حسن انتظام ہے وہ بہت خوش ہوا۔اس نے اپنے باقی انتظامات بھی کلی طور پر ان ہی کو سونپ دیئے۔

یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی حضرت یوسف کا رویہ غلاموں کے ساتھ بڑا پر محبت اور ہمدردانہ رہا۔انہوں نے اپنی گزشتہ زندگی سے ایک سبق سیکھا تھا اور وہ یہ کہ اگر انسان خود کو دوسروں میں نمایاں اور ممتاز کرے تو اس کا نتیجہ حسد اور دشمنی ہوتا

ہے۔ اب وہ اس سلسلے میں بڑے محتاط تھے۔

فوطیفار ہمیشہ حضرت یوسف کی تعریف کرتا رہتا تھا حتیٰ کہ ان کا ذکر اپنی بیوی سے کرتے ہوئے بھی نہیں چوکتا تھا۔ یہ عبرانی نوجوان تو ہمارے گھر کی دولت ہے۔ ان مول شخص ہے یہ جب سے اس نے انتظام سنبھالا ہے مجھے دھوکا بازی اور لڑائی جھگڑوں کی پریشانی سے نجات مل گئی ہے۔ اب میں سب کچھ اس پر چھوڑ سکتا ہوں۔ اگر کوئی فساد سر اٹھاتا بھی ہے تو یوسف اسے بڑی ذہانت سے دبا دیتا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ اس کے خدا ہی کی وجہ سے ہمیں اتنی برکت ملی ہے۔

اس کی بیوی مسکرا دیتی۔ وہ تو پہلے ہی اس پرکشش عبرانی کو جواب ایک بھرپور مرد بن چکا تھا۔ حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی رہتی تھی۔ فوطیفار اپنے منصبی فرائض کی ادائیگی کیلئے اکثر گھر سے باہر رہا کرتا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں اس کی بیوی بیزاری اور تنہائی کا شکار رہتی تھی۔ تسکین طبع کیلئے نئے نئے راستے نکالنا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اور جہاں جذباتی اشتعال کا سوال ہے تو آزمائش بڑے بڑے پرہیزگاروں کے قدم متزلزل کر دیتی ہے، یہ تو پھر ایک کمزور عورت تھی۔ اس کی نظر انتخاب حضرت یوسف پر پڑی اور وہ انہیں اپنی محبت کے جال میں پھنسانے کی کوشش کرنے لگی۔

لہٰذا اجناس، ریشم اور مسالہ جات خریدتے وقت وہ حضرت یوسف کو اپنے ساتھ لے جاتی۔ اس کے چار غلام تو اس کی پالکی کو کندھا دیئے ہوئے ہوتے، جبکہ حضرت یوسف ساتھ ساتھ چلتے جاتے تھے۔ وہ ان سے بڑے لبھانے والے لہجے میں باتیں کیا کرتی تھی۔ بڑی چالاک عورت تھی۔ حضرت یوسف کا دل جیتنے کیلئے اس نے یوں ظاہر کیا جیسے اسے ان کے گھر والوں سے گہری دلچسپی ہو۔ وہ ان کے خاندان سے متعلق بھی سوالات پوچھتی جاتی۔ کبھی وہ باتوں باتوں میں ذرا ان کا بازو بھی چھو لیتی۔ وہ شاطر عورت دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی۔ ہوتے ہوتے وہ اظہار

مطلب پر اتر آئی اور ہم بستری کی دعوت دے دی۔

یہ سنتے ہی حضرت یوسف کو زبردست دھچکا لگا۔ وہ اس اچانک حملے کیلئے تیار نہ تھے۔ ان کے چہرے پر پریشانی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات دیکھ کر بیگم کی دل چسپی اور بڑھ گئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ جلد ہی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گی۔

ادھر حضرت یوسف عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا تھے۔ بیگم نے ان کے جذبات میں ہیجان برپا کر دیا تھا۔ عین اسی وقت انہیں اپنے باپ کے الفاظ یاد آئے جوان کے ذہن کو بری طرح جھنجھوڑ رہے تھے۔ یوسف جنسی آزمائش میں نہ پڑنا۔ اس سے خبردار رہنا کیونکہ اس کے باعث بہتوں کی زندگی تباہ ہو چکی ہے۔

حضرت یوسف کو اپنے والدین کے باہمی تعلقات کا خیال آیا جو نہایت پاکیزہ اور حسین تھے۔ اس کے برعکس سکم میں دینہ کی آبروریزی ایک قبیح فعل تھا۔ دینہ جو پھر کبھی بھی لوٹ کر اپنی اصل حالت میں نہ آسکی۔ دل و دماغ کی اس جنگ میں حضرت یوسف اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس کر رہے تھے۔ انہیں یوں لگا جیسے حالات ان کی طاقت سے تجاوز کر گئے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ مختار نہیں بلکہ فوطیفار کی ملکیت تھے۔ اور ایسے میں جب تک انہیں فوطیفار کی بیوی کی حمایت حاصل نہ ہوتی تب تک ان کا عہدہ برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔ انہوں نے سوچا اگر بیگم کے جذبات مجروح ہوئے تو عین ممکن ہے کہ وہ میرے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہو۔

حضرت یوسف کیلئے یہ سنگین آزمائش کی گھڑی تھی۔ وہ اپنے حجرے میں انتہائی بے قراری کے عالم میں چکر کاٹ رہے تھے۔ دل و دماغ کی گتھیاں تھیں کہ سلجھنے کی بجائے الجھتی چلی جارہی تھیں۔ آخر وہ کریں تو کیا کریں۔ دوسری طرف خدا ان کی زندگی سے مخصوص کام لینا چاہتا تھا۔ اس نے ان کے باپ دادا کو محض اس لئے غیر اقوام سے الگ کیا تھا کہ وہ بے دین دنیا میں اس کی گواہی دیں اور اس کی روشنی



باپ دادا کے خدا! اپنی تمام تر جنسی خواہشات پر غالب آنے میں میری مدد کر۔ بخش دے کہ میں ہر اس چیز سے اپنی آنکھیں اور ذہن بند رکھوں جو نفسانی خواہشات کو مشتعل کرتی ہے۔

ابھی وہ انہی باتوں میں گم تھے کہ بیگم کی لونڈی بشامہ نے ان کے خیالات کا سلسلہ توڑ دیا۔ اس نے انہیں اپنی مالکہ کے ذاتی کمرے میں آنے کا حکم سنایا۔ حضرت یوسف نے اپنے ذہن کو زور کا جھٹکا دیا۔ ان کے ضمیر کی تنبیہ آمیز آواز مسلسل ان کی مشاورت کئے جا رہی تھی، خبردار، جو کچھ بھی تم کرو سوچ سمجھ کرنا۔ تمہاری ذرا سی کوتاہی فوطیفار کے قہر کو بھڑکا دے گی اور پھانسی کا پھندا تمہارا انجام ہو گا۔ فوطیفار جو کہ فرعون کے محافظ دستے کا سردار ہے تمہیں کبھی نہیں چھوڑے گا۔

حضرت یوسف بادل نخواستہ بیگم کی خواب گاہ میں جب پہنچے تو وہاں کوئی غلام تھا نہ لونڈی۔ ان کی غیر موجودگی حضرت یوسف کو کھٹکنے لگی۔ اور پھر ان کی نظر بیگم پر پڑی جس کے جسم پر کپڑے برائے نام ہی تھے۔ یوں وہ شوخ و چنچل خاتون اس جوان کو اپنی طرف راغب کر رہی تھی۔ حضرت یوسف کی پوری کوشش تھی کہ ان کی نظر اپنے آقا کی عزت کے برہنہ بدن پر نہ پڑے۔ پھر ہمت کر کے بولے، میری مالکہ! فوطیفار جیسے معزز شخص کی بیوی کو یہ زیب نہیں دیتا۔ خدا کیلئے بس کیجئے یہ سب کچھ۔

بیگم نے بڑے کھلنڈرانہ انداز میں قہقہہ لگایا، ایک بار صرف ایک بار اپنے باپ دادا کے خدا کا خیال چھوڑ دو۔ تمہارا خدا بڑا ظالم ہے جو اپنے ماننے والوں کو زندگی کا کوئی بھی مزہ لوٹنے کی اجازت نہیں دیتا۔

پھر وہ جرأت کر کے آگے بڑھی اور بڑی بے باکی سے اپنی بانہوں میں حضرت یوسف کو جکڑ لیا اور پنجوں کے بل ہو کر ان کے رخسار چوم لئے۔

جان من! ذرا سوچو تو، تمہارے باپ دادا کے خیمے یہاں سے کوسوں دور ہیں۔ محبت بڑا ہی لطیف جذبہ ہے۔ کاش تم جانتے کہ تم کتنی بڑی نعمت کو ٹھکرا رہے ہو۔

ایک بار پھر وہ ہنستے ہوئے بولی میں تمہیں پیار کرنا سکھاؤں گی۔اب تو تم مصر میں آ چکے ہو۔تمہارے اوپر اب ہمارے شہر کے دیوتاؤں کا اختیار ہے۔ ہمارے دیوتا محبت کرنے والوں پر ناراض نہیں ہوتے۔

حضرت یوسف نے بڑی مشکل سے خود کو اس کی گرفت سے چھڑایا اور ذرا فاصلے پر کھڑے ہو کر اس سے منت کرنے لگے، اے میری مالکہ! آپ کے شوہر فوطیفار کو مجھ پر بڑا بھروسا ہے۔ میں اس اعتماد کو اتنی بے دردی سے ٹھیس نہیں پہنچا سکتا۔انہوں نے اپنی ہر چیز سوائے آپ کے میرے اختیار میں دے رکھی ہے۔آپ ان کی بیوی ان کی عزت ہیں۔

جب بیگم حضرت یوسف کے اور قریب آئی تاکہ انہیں خاموش کرائے تو انہوں نے اپنا ہاتھ بلند کر کے اسے رک جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا، مجھے بات کرنے دیں۔آپ کی ہوس کو پورا کرنا صرف آپ کے شوہر کے خلاف ہی ایک شرمناک فعل نہیں بلکہ میرے خدا کے نزدیک بھی بہت بڑا گناہ ہے۔

اب بیگم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔وہ جذبات سے مغلوب ہو کر زوردار آواز میں چلائی۔ بکواس بند کرو۔ تمہیں میرے حکم کی تعمیل کرنا ہو گی۔ وہ حضرت یوسف کا پیراہن پکڑنے کے درپے تھی۔اس نے اپنی پھسلانے والی آواز سے ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی یوسف! ڈورنہیں، آؤنا! میری بانہوں میں آ جاؤ دیکھو میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔

حضرت یوسف نے خود کو اس مکار عورت سے بڑی مشکل سے چھڑایا۔اس کشمکش میں ان کے پیراہن کا پھٹا ہوا ٹکڑا بیگم کے ہاتھ میں رہ گیا اور خود خدا کا بندہ وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلا۔

بیگم کی تیز غصیلی آواز دور تک حضرت یوسف کا پیچھا کرتی رہی۔مدد! مدد! دیکھو، یہ عبرانی لڑکا میرے ساتھ کیا کرنے کو تھا۔اس کی آواز میں ایک زخمی شیرنی کی غصیلی

غراہٹ تھی۔ حضرت یوسف کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ نہ جانے اب فوطیفا ران کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔

چھٹا باب

قید

قریبی مندر سے ابھرنے والی گھڑیال کی کھوکھلی آواز اس سرکاری جیل تک پہنچ رہی تھی۔ جہاں حضرت یوسف قید تھے۔ نیا دن طلوع ہو رہا تھا۔ لیکن فرعون کے افسروں اور ملازموں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ یہاں قید خانے میں تو چوبیس گھنٹے تاریکی کا راج رہتا تھا۔ اس تاریکی میں خراٹے لینے اور دانت کچکچانے کی آوازیں صاف سنائی دیتی رہتی تھیں۔ کچھ آدمی تو گالی گلوچ کے اس قدر عادی ہو چکے تھے۔ کہ نیند میں بھی ان کے غلیظ ہونٹوں سے گالیاں ہی نکلتی رہتی تھیں۔

سب قیدی بیرونی دنیا کی گہما گہمی سے بے نیاز تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے، صرف نئے قیدی حضرت یوسف نے گھڑیال کی یہ آواز سنی۔ کل کے افسوس ناک واقعے کی وجہ سے وہ ٹھیک سے سو بھی نہ سکے تھے۔ بیگم کی شہوت زدہ نگاہیں اور ہیجانی چیخیں ابھی تک ان کے دل و دماغ کا پیچھا کر رہی تھیں۔ فوطیفار کے غصے نے انہیں کوڑوں سے کہیں زیادہ اذیت دی تھی جو انہیں اس غلیظ اور خستہ حال کوٹھڑی میں دھکیلے جانے سے پہلے لگائے گئے تھے۔ جب بھی وہ بیٹھنے کی کوشش کرتے پیٹھ پر پڑے کوڑوں کے زخموں میں اتنی تکلیف ہوتی کہ ان کے سینے سے ایک دردناک کراہ ابھرتی۔ پیاس سے ان کا دم نکلا جا رہا تھا اور سب سے بڑھ کر موت کا خوف سر پر سوار تھا۔

ایک سابق اعلیٰ افسر حضرت یوسف کو دیکھتے ہی چلایا۔ فرعون کے چہیتوں کی شاہی قبر میں خوش آمدید، سمجھو کہ تمہاری زندگی کے دن پورے ہو گئے۔ یہاں سے اب تم سیدھے جہنم رسید ہو جاؤ گے۔ اور رہا تمہارا مقدمہ تو دو صورتیں ہیں، یا تو فراموش کر دیئے جاؤ گے یا پھر تم ہو گے اور پھانسی کا پھندا۔

حضرت یوسف بڑے دکھ سے سوچنے لگے، افسوس، اچھے دن کتنی جلدی گزر



سے کراہ رہے تھے۔ کسی کا مزاج انتہائی بگڑا ہوا تھا۔ اور اکثر ایک تیرہ و تار طویل دن کے تصور سے ہی بہت مایوس دکھائی دے رہے تھے۔ پھر کسی نے پھبتی کستے ہوئے کہا، جب تک فرعون کی پسند کا ناشتہ تمہیں مل نہیں جاتا انتظار کرو۔ پھر تمہارے مزاج ٹھیک ہو جائیں گے۔

ایک اور قیدی بڑی پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے بولا، یوسف، میں شرط لگاتا ہوں کہ لوگ تمہاری بڑی باتیں بنا رہے ہوں گے، سچ بتانا پٹھے، فوطیفار کی بیوی واقعی بہت خوبصورت ہے؟

ایک اور قیدی اس پر برس پڑا، اسے مت چھیڑو، وہ عورت تو خوامخواہ اس کی دشمن بن گئی ہے۔ اف یہ غلیظ مصری! یہ تو اپنے دیوتاؤں کی طرح غلیظ ہیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر خودغرض، حاسد۔ میں بھی ان کے حسد ہی کی وجہ سے قید میں ہوں۔

اتنے میں ایک غلام نے ٹھوکر مار کر دروازہ کھولا۔ کرخت چہرے والا یہ آدمی جب اندر داخل ہوا تو اس کے ایک ہاتھ میں بالٹی اور دوسرے میں دھیما سا تیل کا چراغ تھا۔ ساتھ ساتھ وہ پانی بانٹتا جاتا تھا۔ ان آدمیوں کا رویہ اس بدمزاج غلام کے ساتھ انتہائی برا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس ہال میں ایسا ہنگامہ کھڑا ہوا کہ چار محافظوں کے ہمراہ جیل کا داروغہ آ پہنچا۔ جب اس نے اس سارے غل غپاڑے کی وجہ دریافت کی تو غلام نے اسے بتایا میرا ساتھی بیمار ہے، میں اکیلا ایک وقت میں اتنے سارے آدمیوں کو نہیں بھگتا سکتا۔

پانیب کی نگاہیں جا کر حضرت یوسف پر ٹھہر گئیں، جو ان تمام ہنگاموں سے الگ تھلگ خاموش بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے سے شرافت ٹپک رہی تھی۔

آج سے کھانا بانٹنے میں تم اس کی مدد کر دیا کرنا جیل کے داروغہ پانیب نے حضرت یوسف کو حکم دیا۔

چند ہی دنوں میں اس کے ساتھیوں کو ماحول میں بڑا فرق محسوس ہونے لگا۔

حضرت یوسف ہر ایک سے بڑا دوستانہ برتاؤ کرتے تھے۔وہ بڑی خوش اخلاقی سے کھانا بانٹا کرتے تھے۔اور ہر طرح سے پوری کوشش کرتے تھے کہ ان کیلئے زندگی کو زیادہ سے زیادہ آرام دہ بنائیں۔وہ ان کی پریشانیوں کے بارے میں بھی ان کی ہر بات سنتے جس سے انہیں بڑی تسکین ملتی تھی۔

خداوند خدا حضرت یوسف کے ساتھ تھا اس لئے سارا کام بالکل ٹھیک طریقے سے ہو رہا تھا۔یہاں تک کہ جیل کا داروغہ خود ان کے کام کو آ کر سراہتا تھا۔وہ جتنا ان کو کام کرتے دیکھتا اتنا ہی اسے یقین ہو چلا تھا کہ انہیں جھوٹے الزام میں قید کیا گیا ہے۔

ایک روز صبح سویرے سپرنٹنڈنٹ کی طرف سے ایک محافظ حضرت یوسف کو بلانے کیلئے آیا۔وہ اعلیٰ افسر دفتر میں نہیں تھا اس لئے ان کو انتظار کرنے کیلئے کہا گیا۔کھڑکی میں سے سورج طلوع ہونے کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔انہوں نے سوچا روشنی! یہ بھی کیا نعمت ہے! خدا روشنی اور محبت کے جہان سے مجھے خوش آمدید کہہ رہا ہے۔ایک دن میں خود بھی اسی روشنی میں وہاں پہنچوں گا۔لیکن فی الحال مجھے اس جگہ جانے کیلئے تیار کر رہا ہے۔

اس خیال کے آتے ہی انہوں نے گہری سانس بھری اور پھر سوچا کہ ناشکر گزار نہیں ہونا چاہیے۔کیا مجھے داروغہ کا اعتماد حاصل نہیں ہے؟ ان کی نگاہیں سلاخ دار کھڑکی کے کونے پر جا کر ٹھہر گئیں جہاں ایک مکڑی بڑی مہارت سے اپنا جالا بن رہی تھی۔جب اسے بڑے غور سے دیکھ رہے تھے تو خدا نے ان پر واضح کیا کہ وہ بھی ان کی زندگی میں ایک خوبصورت نقش بنا رہا ہے جو ابھی تک انسانی نظروں سے اوجھل ہے۔ان کا کام صرف یہ تھا کہ اپنے خداوند پر پورا پورا بھروسا رکھیں۔

جب داروغہ ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تو حضرت یوسف کے خوبصورت خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔محافظوں نے بڑی مستعدی سے اسے سلامی

دی۔ پھر سپر نٹنڈنٹ حضرت یوسف سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا، تم غالباً یہ سننا پسند کرو گے کہ جب سے فوطیفار کی گھریلو زندگی سے تم الگ ہوئے ہو اس وقت سے وہاں کے حالات بہت بگڑ گئے ہیں۔ وہ بڑے معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

لیکن حضرت یوسف نے اتنا ہی کہا کہ خدا انہیں خوش رکھے۔

پانیپ حیران ہوا اس جیل میں تو لوگ نفرت اور غصے میں تباہ ہو جاتے ہیں لیکن اس کے برعکس تم تو پہلے سے بھی زیادہ سلجھ گئے ہو۔

پانیب دل ہی دل میں مسکرا دیا اور بولا میں نے فوطیفار کے گھر میں تمہاری بہترین کارکردگی کے بارے میں معلومات حاصل کر لی ہیں۔ مجھے بھی تم جیسے آدمی کی ہی ضرورت ہے۔ ادھر آؤ۔ ذرا منشی کے کام کو ایک نظر دیکھ لو۔ آئندہ کیلئے یہ ذمہ داری تمہیں سونپی جاتی ہے۔ اس نے یہ سب کچھ بڑی خوش اخلاقی سے حضرت یوسف کو بتایا۔

اپنے مفاد کے ساتھ ساتھ پانیب کو حضرت یوسف پر ترس بھی آتا تھا۔ یقیناً فوطیفار اسے یہاں بھیج کر بھول گیا ہو گا۔ اب یہ کبھی بری نہیں ہو گا۔ اس لئے یوسف کے ذہن کو مصروف رکھ کر اس کے ساتھ نیکی کروں گا اس نے ہمدردی سے سوچا۔

اسی وقت ہال میں سے چیخنے چلانے کی آوازیں آنے لگیں۔ پانیب ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور گارڈز کی طرف مڑتے ہوئے دھاڑا، جلدی کرو۔ باہر سے بھی محافظوں کو اپنے ساتھ لے لو۔ تم اپنے آپ اس باغی ہجوم سے نہیں نبٹ سکتے۔

پانیب نے اپنے دونوں ہاتھوں سے زور زور سے دھڑکتے دل کو تھام لیا۔ اف! ان سرکاری دشمنوں نے تو مجھے پریشان کر رکھا ہے میں ان کی بغاوت کو کچل کے رکھ دوں گا۔ چمڑی ادھیڑ ڈالوں گا ان باغیوں کی۔

حضرت یوسف نے اس اعلیٰ افسر کو بڑی ملتجی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے عرض کی جناب! میرے آقا! اجازت ہو تو میں ان سے بات کروں؟ میں ان سب کو اچھی

طرح سے جانتا ہوں ان اندھیری کوٹھڑیوں میں رہ رہ کر وہ بیزار ہو گئے ہیں۔

پانیب نے حضرت یوسف کو ان کے منصوبوں سے باز رہنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ پھر ذرا سوچ کر انہیں جانے کی اجازت دے ہی دی۔ محافظوں کے ساتھ وہ خود دروازے کے باہر ہی رک گیا تا کہ کسی ناخوش گوار واقعے سے بروقت نبٹا جا سکے۔ ایک کان محافظوں نے دروازے سے لگا رکھا تھا۔ حضرت یوسف کی زنجیروں کی کھڑ کھڑاہٹ مدھم ہوتی جا رہی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ یقیناً اب وہ ان پر برس پڑیں گے۔ لیکن ایسی کوئی بات نہ ہوئی بلکہ اس کے بالکل برعکس سارا شور وغلم یکدم موقوف ہو گیا۔

پانیب اپنے دفتر میں فاتحانہ انداز میں لوٹ آیا۔ اس نے سوچا کہ فوطیفار کے نقصان میں میرا تو فائدہ ہو گیا۔ اب آئندہ کیلئے اسے کسی ایک چیز کی بھی فکر نہیں رہی تھی۔ کیونکہ حضرت یوسف اس کے تمام امور انتہائی احسن طریقے سے نمٹا لیا کرتے تھے۔ جس طرح فوطیفار کے گھر میں خدا اس کے ساتھ تھا اسی طرح جیل میں بھی تھا۔ اس لئے ہر کام بڑے اچھے طریقے سے انجام پا رہا تھا۔

ایک دن قیدی ان کے پاس ایک دلیل لے کر آئے۔ فرعون کا ایک سابق افسر اصرار کر رہا تھا کہ اگر اچھی تعلیم، اچھا ماحول اور ضروریات زندگی کیلئے وافر سرمایہ ہو تو بلاشبہ لوگ خوش رہ سکتے ہیں۔

ان کا سرغنہ دل کھول کر ہنس پڑا۔ پھر تو امیروں کے گھر جنت ہوئے نا! ارے بے وقوف، تمہاری کھوپڑی میں عقل ہے یا نہیں؟ عام لوگ اور غریب غلام اکثر ان کے مقابلے میں جن کے پاس سب کچھ ہوتا ہے بہتر کردار کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

حضرت یوسف نے ان کے سرغنے کی تائید کی لیکن ساتھ ہی ایک اور پہلو بھی واضح کر دیا۔ صرف اس شخص کا دل حقیقت میں تبدیل ہوتا ہے جو اپنی زندگی زندہ خدا کے سپرد کر دے۔ جب آپ اس کے ساتھ ساتھ چلیں گے تو وہ آپ کا دل محبت،

اطمینان اور صبر سے معمور کر دے گا۔ اس طرح خدا جہاں بھی آپ کو لے جائے گا آپ کی معرفت اس مقام کو تبدیل کر سکے گا۔

جس شخص نے اس موضوع پر گفتگو شروع کی تھی طنزاً کہنے لگا تم اس خدا کی پیروی کرتے ہو نا جو لوگوں کو دوسروں پر ظلم و تشدد کرنے دیتا ہے۔

حضرت یوسف نے بڑے دھیمے لہجے میں جواب دیا، افسوس! تم میرے خدا کو نہیں جانتے۔ وہ ہمیشہ اپنے ماننے والوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ وہ سختی کے ان دنوں کو اس مقصد کیلئے استعمال کر رہا ہے کہ میں اس کے اور قریب ہو جاؤں۔

تم اپنے خدا سے محبت کرتے ہو؟ سرغنہ کی آواز میں حیرت کا عنصر نمایاں تھا۔ اس نے اس سے پہلے ایسی باتیں کبھی نہیں سنی تھیں۔ کیونکہ دیوتاؤں سے لوگ ڈرا کرتے تھے۔ ان سے محبت نہیں کرتے تھے۔

حضرت یوسف سیاست کے موضوع پر بھی ان افسروں کی باتیں غور سے سنا کرتے تھے۔ اکثر اوقات فرعون اور اس کے وزیروں کے بارے میں گرما گرم بحث ہو جایا کرتی تھی۔ ان کی صرف باتیں ہی سن کر حضرت یوسف نے مصری سیاست کے بارے میں بہت کچھ سیکھ لیا۔

وہ دن بہت ہی ناخوشگوار دن تھا۔ ہر طرف تاریک سائے پھیل رہے تھے۔ سپاہیوں کا ایک دستہ دو قیدیوں کو لے کر جیل میں آیا۔ ان میں سے ایک فرعون کا ساقی تھا اور دوسرا نان پز فوطیفار خود ان دو اہم شخصیات کو لے کر آیا تھا۔ یوسف نے حیرت سے اپنے سابق مالک کو دیکھا۔ وہ بڑی گرجدار آواز میں پانیب سے مخاطب ہو کر بولا، ان دونوں پر کڑی نظر رکھنا۔ یہ فرعون کے خلاف سازش کر رہے تھے۔ کچھ دیر رک کر فوطیفار نے مکینوں کی فہرست طلب کی اور گرجا، اچھا ٹھیک ہے اگر تمہارے دفتر کا پہلا سا برا حال ہے تو بہتر ہے کہ چلتا بنوں۔

نہیں نہیں، جناب پانیب نے فاتحانہ لہجے میں کہا، جب سے مجھے ایک مددگار

ملا ہے جیل میں ہر چیز بالکل منظم ہے۔ اب مجھے کوئی پریشانی نہیں۔ میرے تو دل کا درد بھی جاتا رہا ہے۔

حضرت یوسف کا سانس اوپر کا اوپر ہی رہ گیا۔ وہ پریشان ہو گئے کہ کہیں وہ دفتر میں آ گئے تو تو کیا ہو گا!

فوطیفار کی بھاری بھر کم آواز میں حیرت کا تاثر نمایاں تھا۔ وہ غصے میں بولا، جب سے تمہیں ایک مددگار مل گیا ہے اوسر سمجھتا ہوں۔ ٹھیک ہے۔ ابھی فہرست کو رہنے دو۔ فوطیفار وہاں سے یوں لمبے ڈگ بھرتا ہوا نکلا جیسے اس کے پیچھے کسی آسیب کا سایہ ہو۔

ساقی اور نان پز کے جیل میں آنے سے ہر طرف سے افسوس ناک آوازیں سنائی دینے لگیں۔ دونوں فرعون کے محل میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ اس کے دستر خوان کا سب اختیار ان کے ہاتھ میں تھا۔ قسمت کے اچانک اس طرح پلٹا کھانے سے وہ آسمان سے زمین پر آ گرے تھے۔ عام طور پر اس قسم کے اعلیٰ منصب لوگوں کے قریب آنا خاصا مشکل تھا۔ لیکن ان اعلیٰ منصب شخصیات کو بھی حضرت یوسف کے اختیار میں دے دیا گیا۔ داروغہ نے ان کو سمجھا دیا تھا کہ اگر وہ ان کا اچھی طرح خیال رکھیں گے تو اس میں ان کا اپنا ہی فائدہ ہو گا۔ کیا پتہ شاید کسی دن وہ اپنے عہدوں پر بحال کر دیئے جائیں۔

حضرت یوسف کیلئے اشارہ ہی کافی تھا۔ چند حوصلہ افزاء الفاظ سے انہوں نے انہیں رام کر لیا۔ پھر ان سے فرعون کے محل کی بدعنوانیوں کے قصے سنے۔ ان کے قیام کے دوران میں حضرت یوسف نے ان سے فرعون کے ملازموں، سیاستدانوں اور نجومیوں کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کر لیں۔

ایک صبح جب حضرت یوسف ان سے ملنے آئے تو وہ دونوں بہت پریشان اور نہایت بیزار دکھائی دے رہے تھے۔ انہوں نے بڑی خندہ پیشانی سے سلام کیا لیکن

ساقی اور نان پز نے کوئی جواب نہ دیا حضرت یوسف کو ان کی اس کیفیت کے بارے میں تشویش ہوئی۔

جناب! آج آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟

ساقی نے بڑے دکھ سے سر کو جھکا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا،

ہم دونوں نے خواب دیکھا ہے

نان پز نے انہیں اپنی اصل پریشانی سے آگاہ کیا۔ اس گھناؤنی جگہ میں تو کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ہمیں ہمارے خوابوں کی تعبیر بتا سکے۔

حضرت یوسف ان کے پاس ہی بیٹھ گئے اور تسلی بھرے لہجے میں بولے اصل میں خوابوں کی تعبیر بتانے کی صلاحیت خدا کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ بخدا آپ اپنے خواب مجھے بتایئے۔

ان باتوں سے ساقی کو کچھ حوصلہ ہوا اور اس نے ہمت کر کے کہنا شروع کیا میں نے خواب میں اپنے آگے انگور کی ایک بیل دیکھی جس کی تین شاخیں تھیں۔ جلد ہی پتے نکلے، شگوفے پھوٹے اور انگور پک گئے۔ میرے ہاتھ میں شاہی جام تھا۔ میں نے اس میں انگوروں کا رس نچوڑا اور بادشاہ کو پلا دیا۔

جب ساقی حضرت یوسف کو اپنا خواب سنا چکا تو بڑا سہا اور ڈرا سا ان کے چہرے کو تکنے لگا۔

حضرت یوسف نے مسکراتے ہوئے یقین دلایا تمہارے خواب کا مطلب یہ ہے تین شاخیں تین دن ہیں تین دنوں میں بادشاہ تمہیں رہا کر دے گا۔ تمہاری خطا معاف کر دی جائے گی اور تم اپنے منصب پر بحال ہو جاؤ گے۔

اب حضرت یوسف نے اپنے مطلب کی بات کی۔ انہوں نے درخواست کی جب تم اپنے عہدے پر بحال ہو جاؤ تو فرعون سے میرا ذکر کرنا۔ مجھے غلام بنا کر اس ملک میں لے آئے۔ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس کی سزا میں مجھے جیل بھیجا

جاتا۔

ساقی نے بڑی گرم جوشی سے جواب دیا، بے شک مجھ پر بھروسا رکھو۔ اس جگہ سے باہر نکل جاؤں تو سمجھو کہ تم بھی آزاد ہو گئے۔

اب تو نان پز سے لمحہ بھر بھی صبر نہ ہو سکا۔ اس نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں نے سر پر تین روٹیوں کی ٹوکریاں اٹھا رکھی ہیں۔ سب سے اوپر والی ٹوکری میں بادشاہ کیلئے ہر قسم کی روٹیاں ہیں اور پرندے انہیں کھا رہے ہیں۔

اس خواب کو سن کر حضرت یوسف میں ہمت نہ تھی کہ ان پر امید آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے۔ لیکن ساتھ ہی وہ جھوٹ بول کر اسے اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بڑے دکھ سے کہا مجھے افسوس ہے کہ تمہارے خواب کا مطلب یہ ہے تین ٹوکریاں تین دن ہیں تین دنوں میں بادشاہ تمہارا سر تن سے جدا کروا دے گا۔ تمہاری لاش کو کھمبے پر ٹانگ دیا جائے گا اور پرندے تمہارا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے۔

نان پز کی تسلی نہ ہوئی۔ وہ غصے سے چنگھاڑتے ہوئے بولا، یوسف تم ہمارے لئے اچھے خدمت گار تو ثابت ہوئے لیکن جہاں تک خواب کی تعبیر کا تعلق ہے تم کچھ نہیں جانتے۔ بھول جاؤ ہمارے خوابوں کو۔

لیکن آخر کار جیسے کہ حضرت یوسف نے ان کے خوابوں کی تعبیر کی تھی ویسا ہی ہوا۔ ساقی تین دن بعد رہا ہو گیا اور نان پز اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

اب حضرت یوسف کو بڑی بے چینی سے ہر روز ساقی کے پیغام کا انتظار رہنے لگا تھا۔ ان کے ذہن میں بار بار خیالات ابھرتے اور وہ اس عظیم شخصیت کی طرف سے کوئی پیغام نہ آنے کی توجیہات تلاش کرتے رہتے۔ رفتہ رفتہ ان کی بے چینی مایوسی میں بدل گئی۔ انہوں نے ایک بار پھر معلوم کر لیا کہ آدمیوں پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔

سب مطلبی یار ہوتے ہیں۔ لیکن ایک پرانا سوال انہیں پھر پریشان کرنے لگا ایسے میں خدا کہاں ہے؟ کیا اس نے آخر کار مجھے بھلا ہی دیا ہے؟

انہی خیالوں میں مزید دو سال کا طویل عرصہ بیت گیا۔

ساتواں باب

شاہی بلاوا

شہر دوپہر کی گرمی سے سلگ رہا تھا۔ پھر بھی فوطیفار کی بیوی آج حسب معمول سو نہ پارہی تھی۔ اس کی لونڈی بشامہ سوچنے لگی آخر آج میری مالکہ کو کیا ہوا ہے؟ اس کی طبیعت کی بے چینی اس کی رنگینا ورشوخ فطرت کے بالکل برعکس ہے۔ موسم کی شدت کی پرواکئے بغیر وہ خودکو ادھر ادھر کے کاموں میں مصروف رکھے ہوئے تھی۔ بشامہ کو اسے غسل دینا اور مالش کرنی تھی۔ اور اب مرحلہ لباس کے انتخاب کا تھا۔ ایک سے ایک لباس اس کے آگے پڑا تھا لیکن کوئی بھی اس کی نظروں میں نہ جچ رہا تھا۔ اور پسند بھی کیسے آتا، اس کے خیالات تو نہ جانے کہاں بھٹک رہے تھے۔ گزشتہ رات کئی ماہ کے بعد فوطیفار نے اس کے سامنے یوسف کا ذکر چھیڑا تھا۔ اس نے کن انکھیوں سے اپنی بیوی کو دیکھتے ہوئے یوں بات بڑھائی، جب سے یوسف جیل گیا ہے وہاں کے حالات بالکل سدھر گئے ہیں۔ پانیب بتا رہا تھا کہ اس کی معرفت اس کی قسمت ہی بدل گئی ہے۔

بشامہ حیرت زدہ سی اس کا منہ تکنے لگی۔ بیگم کی شعلہ سی آنکھیں اس کے دل کی کیفیت کی غمازی کررہی تھیں۔ اسے خود پر غصہ آرہا تھا۔ وہ چلائی، پھر کبھی اس کا نام میرے سامنے نہ لینا۔ بہتر تو یہ ہے کہ ابھی اس کا سر اڑا دو۔

اس کے دل و دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اپنے شوہر کو کسی طور پر قائل نہ کر پائے گی۔

فوطیفار نے ایک پر معنی مسکراہٹ سے بیوی کو دیکھا اور باہر نکل گیا۔ بیگم نے اپنی اس نیم گرم ازدواجی زندگی کو بہتر بنانے کی ایک اور کوشش کرنے کا ارادہ کرلیا۔

بشامہ اس کی خواصوں میں سے تھی جو اس کے مزاج کو اچھی طرح سے سمجھتی تھی۔ اسے فوراً احساس ہو جاتا تھا کہ کب اس کی مالکہ کو کسی کی ضرورت ہے۔ جب وہ بیگم

کا جوڑا بنا رہی تھی تو اس نے بڑی تشفی آمیز لہجے میں اس کی ڈھارس بندھائی، آقا فوطیفار ان دنوں انتہائی مصروف ہیں۔ فرعون کی حفاظت کی ذمہ داری بڑا جان جوکھوں کا کام ہے۔

بیگم نے تائید کی اور گہری سانس بھری۔ ہاں یہ تو ہے۔ اگر بادشاہ کو کچھ ہو گیا تو میرے شوہر کی جان کی خیر نہیں۔ اور ساتھ ہی وہ فرعون کے محل میں جلوداروں کے سردار بھی ہیں۔ پھر انہیں سرکاری جیل اور پھانسیوں کا بھی انتظام کرنا ہوتا ہے۔ کام اتنا زیادہ ہے کہ میرے لئے تو ان کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔

بشامہ کی خوش گپیوں نے بیگم کے بوجھل خیالات پر ٹھنڈی پھوار کا کام کیا۔ یہ وہی خواب گاہ تھی جہاں اس نے اپنی ہوس کی تسکین کیلئے حضرت یوسف کی معصومیت کو لوٹنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اس نوجوان کو بھلانے کی انتہائی کوشش کرتی رہی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کے خیال نے اسے نہایت افسردہ دل کر دیا تھا۔ جب سے اس کے شوہر نے حضرت یوسف کا ذکر چھیڑا تھا وہ پھر سے آسیب کی طرح اس پر چھا گئے تھے۔ اس احساس سے چھٹکارا پانے کیلئے اس نے بشامہ سے کہا مجھے پالکی منگوا دو اور کہاروں کو بھی لے آؤ۔ میں ماں سے ملنے جاؤں گی۔ اس فیصلے پر وہ دبی سی ہنسی ہنستے ہوئے بولی، ماں کو اپنے آرام میں میری دخل اندازی کچھ اچھی تو نہیں لگے گی۔ پھر بھی کبھی کبھی بیٹی چاہتی ہے کہ وہ ماں سے مل کر ڈھیروں باتیں کرے۔

ابھی وہ جانے کی تیاری ہی کر رہی تھی کہ اسے گھوڑوں کے ٹاپوں اور تھ کی چرچراہٹ سنائی دی جو کہ صحن کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ بیگم حیران ہوئی، فوطیفار؟ اور اس وقت؟ اس نے اوپر جھروکے سے شوہر کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ یہ بے وقت آج گھر میں کیسے؟ میرے سرتاج، آپ تو بہت ہی تھکے ہوئے لگ رہے ہیں۔

فوطیفار نے پسینہ پونچھتے ہوئے اوپر دیکھا اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے

جلدی سے اندر چلا گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ دیوان خانے میں داخل ہوتا بیگم بھی اس کی پذیرائی کیلئے جلدی سے نیچے اتر آئی۔

فوطیفار نے خود کو کرسی پر گراتے ہوئے کہا، ایک گلاس ٹھنڈا پانی بلا کی گرمی پڑ رہی ہے۔

بیگم کا اشارہ پاتے ہی بشامہ پانی لینے چلی گئی۔ فوطیفار اپنی بھاری بھر کم آواز میں اپنی بیوی کو روداد سنانے لگا کیا بتاؤں محل میں تو میلہ لگا ہے۔ جادوگر، دانش ور، نجومی اور نہ جانے کون کون محل میں اڈے پڑے ہیں۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھری، کبھی کوئی آ رہا ہے کبھی کوئی۔ سب کے سب فرعون کے دو خوابوں کی تعبیر بتانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پھر اس نے زور سے اپنی ران پر ہاتھ مارا۔ لگتا ہے دیوتاؤں نے کسی خاص وجہ سے ان کے ذہن کند کر دیئے ہیں۔

بیگم نے لونڈی سے طشتری پکڑ لی اور بلور کا جام فوطیفار کو تھماتے ہوئے جھک کر بولی، جانِ من! آپ کا پسندیدہ مشروب انگوروں کا رس پی لو۔ طبیعت بحال ہو جائے گی۔ پھر اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔ اگر یہ سچ ہے کہ فرعون کی کئی دنوں سے بھوک اور نیند اڑ چکی ہے تو پھر تو اس کا مزاج آج کل بہت چڑچڑا ہو گا۔

نہیں اسے بدمزاج نہیں کہا جا سکتا۔ خوش قسمتی سے بڑا اچھا بادشاہ ہے، ورنہ تو وہ مجھے ان سب لوگوں کا سر قلم کر دینے کا حکم دے دیتا۔ دیوتا مجھے اس خونی فعل سے بچائے رکھیں

فوطیفار نے اور پینے کیلئے جام آگے بڑھایا۔

پتہ ہے بادشاہ بہت زیادہ پریشان ہے کیونکہ ان خوابوں کی وجہ سے اس پر بڑی دہشت چھا گئی ہے۔ جتنی دیر ہوتی جا رہی ہے اتنا ہی اسے یقین ہو چلا ہے کہ دیوتا اسے مصر پر نازل ہونے والی تباہی سے خبردار کر رہے ہیں۔ جب تک ان خوابوں کی تعبیر واضح نہیں ہو جاتی تب تک اسے چین نہیں آئے گا۔

کیا شہر ہیلیو پلس سے سورج دیوتا رع کا پجاری بھی کچھ مدد نہیں کر سکا؟

فوطیفار نے نفی میں سر ہلایا۔ فوطیفرع بھی دوسروں کی طرح بالکل بے بس ہے۔

اتنے میں آنگن میں جوتوں کی زوردار آواز سنائی دی۔ ایک محافظ کو اندر لایا گیا جس نے بڑی پھرتی سے فوطیفار کو سلامی دی۔ آقا، فرعون نے آپ کیلئے حکم نامہ صادر کیا ہے کہ جیل سے یوسف نامی قیدی کو فوراً دربار میں حاضر کیا جائے۔

یوسف؟ فوطیفار اٹھ کر محافظ کے ساتھ چلنے لگا۔ یوسف کے نام کے ذکر کے ساتھ ہی بیگم بری طرح سے چونکی جسے فوطیفار نے بھی بھانپ لیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں طنزاً مسکرایا بے وفا عورت! ابھی بھی اسے ڈر ہے کہ اس کا گناہ ظاہر ہو جائے گا۔

بتاؤ تو سہی! اس حکم کی وجہ کیا ہے؟ اس نے محافظ سے معلوم کرنا چاہا۔

محافظ نے جلدی جلدی وضاحت کرتے ہوئے کہا، سردار ساقی جو دو سال پہلے قید میں تھا، یہ سب کچھ اسی کی وجہ سے ہوا ہے۔ جب وہ جیل میں تھا تو اسی یوسف نے اس کے اور سردار نان پز کے خوابوں کی صحیح تعبیر بتائی تھی۔ چونکہ فرعون کے خواب کی تعبیر کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے اس لئے سردار ساقی نے ہمت کر کے بادشاہ کو اس قیدی کے بارے میں بتا دیا ہے۔ ظاہر ہے اس وقت یوسف ہی فرعون کی آخری امید ہے۔

فوطیفار حضرت یوسف کے بارے میں جتنا سوچتا اتنا ہی زیادہ الجھتا جاتا تھا۔ وہ سوچنے لگا، اپنے تمام تر اختیار کے باوجود بھی اسے جیل میں نہ رکھ سکا۔ کیا یہ سب کچھ اس کے خدا کی وجہ سے تو نہیں؟ وہ خدا جس نے ہر حالت میں اس کو کامیابی عطا کی؟ لگتا ہے اسی نے قید خانے کے دروازے اب بھی اس کیلئے کھول دیئے ہیں۔

رتھ ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔ ایسے میں فوطیفار نے سوچا کہ یوسف کو فرعون کے سامنے پیش کرنے کے قابل بنانے میں کافی وقت لگے گا۔ پھر وہ اس خیال سے

مضطرب ہوگیا کہ کس طرح وہ اپنے پرانے اور قابل اعتماد غلام سے اتنے برسوں بعد ملے۔لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے حضرت یوسف کو پہلے کی طرح حلیم وشائستہ پایا۔ان کی آنکھوں میں نفرت کا شائبہ تک نہ تھا۔اور سب سے عجیب بات یہ تھی کہ فرعون کے بلاوے کی خبر سے اس عبرانی نوجوان کوذرا حیرت نہ ہوئی۔فوطیفار پر ایک دفعہ پھر حضرت یوسف کا سحر چھا گیا۔یوں لگتا تھا کہ ان میں سے کوئی خاص قوت نکلی ہے جس نے اسے جکڑ لیا ہے۔جیل جیسی ناگوار جگہ میں تو صرف دیوتا ہی کسی کو اتنی خوش مزاجی اور پختگی عطا کر سکتے ہیں۔

حضرت یوسف کی حجامت بنوائی گئی اور کپڑے بدلوا کر انہیں فرعون کے سامنے پیش کر دیا گیا۔جب وہ بادشاہ کے حضور کورنش بجالائے تو دربار میں موجود معززین میں سرگوشیاں ہونے لگیں اور امید کی ایک لہر دوڑ گئی۔کیا یہ بادشاہ کے خوابوں کی تعبیر بتا سکے گا؟ کیا پھر سے ملک میں امن ہو جائے گا؟ ان کے ذہنوں میں یہ سب سوالات ایک ایک کر کے ابھر رہے تھے۔

فرعون پر اضطراری کیفیت طاری تھی۔وہ بے چینی کے عالم میں چکر کاٹ رہا تھا۔اس نے حضرت یوسف کے سامنے کھڑے ہو کر اور اس غلام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔غلام کی آنکھوں میں بلا کی گہرائی تھی۔

بادشاہ قدرے شکایت آمیز لہجے میں کہنے لگا،ہم نے ایک خواب دیکھا ہے لیکن کوئی بھی اس کی صحیح تعبیر نہیں بتا سکا۔

اچانک اس کا لہجہ قدرے پر امید ہو گیا اور بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا تاہم مجھے بتایا گیا ہے کہ تم خوابوں کی تعبیر بتا سکتے ہو۔

حضرت یوسف نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور بڑی عاجزی سے عرض کیا عالی جاہ! میں خود تو کچھ بھی نہیں کر سکتا لیکن میرا خدا آپ کو اصل تعبیر سے متعلق تسلی بخش جواب دے گا۔

حضرت یوسف بالکل پر سکون تھے۔ بولتے ہوئے ان کی آواز میں کامل اعتماد کی جھلک تھی۔ فرعون اور اعلیٰ افسران بھی اس غلام کے بارے میں حیران تھے جو بلا جھجک، بے خوف اور بغیر سر جھکائے ان سے مخاطب تھا۔

فرعون اپنے تخت پر جا بیٹھا اور آنکھیں بند کر کے کہنے لگا، ہم نے خواب میں دیکھا ہے کہ ہم دریائے نیل کے کنارے کھڑے ہیں۔ اتنے میں سات موٹی اور خوبصورت گائیں دریا میں سے نکلیں اور گھاس چرنے لگیں۔ پھر سات اور گائیں دریا میں سے نکلیں جو بہت کمزور اور دبلی پتلی تھیں۔ وہ اتنی خستہ حال تھیں کہ ہم نے آج تک پورے مصر میں ایسی بدشکل گائیں نہیں دیکھیں۔ وہ دبلی گائیں موٹی گایوں کو کھا گئیں لیکن اس کے باوجود ان میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ پہلے ہی کی طرح دبلی کی دبلی رہیں۔ پھر ہماری آنکھ کھل گئی۔

فرعون نے اپنی آنکھیں کھول لیں اور کچھ سوچنے کے بعد پھر اپنے ہاتھوں کو ملتے ہوئے اپنا بیان جاری رکھا۔ ہماری پھر آنکھ لگ گئی اور ہم نے ایک اور خواب دیکھا۔ اب کے ہم نے دیکھا کہ ایک ڈنٹھی میں سات بھری اور اچھی بالیں نکلیں اور ان کے بعد اور سات سوکھی اور پتلی اور پوربی ہوا کی ماری مرجھائی ہوئی بالیں نکلیں یہ پتلی بالیں ان سات موٹی اور بھری ہوئی بالوں کو نگل گئیں۔

اب ساری نگاہیں حضرت یوسف پر گڑی تھیں۔ وہ بڑے اعتماد سے یوں گویا ہوئے۔ عالی جاہ! سارے ملک مصر میں سات برس کثیر پیداوار کے ہوں گے۔ ان کے بعد سات سال ایسے ہولناک قحط کے ہوں گے کہ لوگ خوشحالی کے وہ سات برس بھول جائیں گے۔ ایک ہی طرح کا خواب جو آپ نے دو دفعہ دیکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات خدا کی طرف سے مقرر ہو چکی ہے اور وہ اسے جلد پورا کرے گا۔

انتہائی پریشانی کے عالم میں فرعون نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ تمام

معززین اور افسران بھی اپنے بادشاہ کی طرح کرب کا اظہار کر رہے تھے۔صرف حضرت یوسف کا چہرہ پرسکون اور پراعتماد تھا۔انہوں نے اپنی بھرپور آواز میں جب بادشاہ کو اس بحران پر قابو پانے کیلئے مفید مشورہ دیا تو اس کی جان میں جان آئی۔

حضرت یوسف بولے، عالی جاہ! اب آپ کو چاہیے کہ کسی دانش مند شخص کا انتخاب کریں اور اسے ملک مصر پر مختار بنائیں۔اس کے علاوہ آپ ناظر بھی مقرر کریں جو خوشحالی کے سات سالوں میں اس ساری پیداوار کا پانچواں حصہ اکٹھا کریں۔آپ انہیں حکم دیں کہ آنے والے اچھے برسوں میں سب کھانے کی چیزیں جمع کریں اور شہر شہر میں غلہ جو فرعون کے اختیار میں ہو خورش کیلئے فراہم کرکے اس کی حفاظت کریں۔یہی غلہ ملک کیلئے ذخیرہ ہوگا اور ساتوں برس میں جب تک ملک میں کال رہے گا کافی ہوگا۔اس طرح لوگ فاقوں مرنے سے بچ جائیں گے۔

حضرت یوسف کی بات سنتے ہی ہر طرف سے تحسین و آفرین کی صدائیں آنے لگیں۔حاضرین پر یہ بات واضح ہوگئی کہ ابھی ابھی غلام یوسف نہیں بلکہ یوسف کا خدا ان سے مخاطب تھا۔اگرچہ فرعون اور اس کے ساتھیوں کو حضرت یوسف کی تجویز دل سے منظور تھی پھر بھی انہیں ڈر تھا کہ کہیں اتنے بااختیار منصب کیلئے وہ کسی غلط آدمی کا انتخاب نہ کر بیٹھیں ان کے غلط فیصلے سے پورا ملک تباہ ہو سکتا تھا۔

فرعون نے کچھ دیر اس معاملے پر غور کیا۔آخر کار وہ ایک فیصلے پر پہنچا۔اس کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور وہ حاضرین سے مخاطب ہو کر بولا۔ہمیں یوسف جیسا آدمی جس میں خدا کی روح ہے ہرگز نہیں ملے گا۔

یہ سنتے ہی سارے دربار کو گویا سانپ سونگھ گیا۔ہر طرف گہری خاموشی چھا گئی۔ فرعون نے اپنی وہ انگشتری جس پر شاہی مہر تھی اپنی انگلی سے اتار کر حضرت یوسف کو دیتے ہوئے کہا میں آج سے تمہیں مصر کا حاکم ثانی بناتا ہوں۔تمہارا نام صفنات فعیخ ہے (یعنی خدا نے کلام کیا ہے اور وہ زندہ ہے) فرعون کے لہجے میں بلا کی چاشنی تھی۔

ہر طرف سے مبارک سلامت کی صدائیں اٹھنے لگیں۔فرعون زندہ باد حاکم زندہ باد!

سورج دیوتا رع کا پجاری فوطیفرع ایک پل کیلئے بھی 30 سالہ عبرانی نوجوان کے چہرے سے اپنی نظریں نہ ہٹا سکا جس پر یہ تاثر نمایاں تھا جیسے وہ ہمیشہ سے ہی فرعون کی حضور میں رہا ہو۔حضرت یوسف بلاشبہ بہترین صلاحیتوں سے مزین تھے۔ گٹھا ہوا جسم، ذہانت، حسن اور حلم وانکسار سبھی کچھ تو تھا ان میں فوطیفرع کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اگلے ہی لمحے فرعون اس کی بیٹی آسناتھ کا ہاتھ یوسف کیلئے مانگ لے گا جواب مصر کا مختار بنا دیا گیا تھا۔اس طرح فرعون نے حضرت یوسف کو فوطیفرع جیسے پجاریوں کے خاندان کے اعلیٰ طبقے کا فرد بھی بنا دیا۔

ادھر حضرت یوسف کا ذہن بری طرح چکرا رہا تھا۔ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ سرکاری جیل میں قیدی تھے اور اب خود فرعون نے انہیں خاص قیمتی خلعت عطا کیا تھا اوران کے گلے میں سونے کی زنجیر پہنا دی گئی تھی۔پھر انہوں نے فرعون کا اعلان سنا ہم چاہتے ہیں کہ سب لوگ اپنے نئے حاکم کا استقبال کریں۔

پھر فرعون نے فوطیفار کو حکم دیا کہ وہ یوسف کو دوسری شاہی رتھ میں بٹھا کر پورے شہر کا دورہ کروائے۔آگے آگے محافظوں کا ایک دستہ ہو جو اعلان کرتا ہوا جائے کہ باادب! باملاحظہ! ہوشیار، حاکم مصر کی سواری آتی ہے۔

حضرت یوسف نے جب اپنی گزشتہ زندگی پر ایک نظر ڈالی تو انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ قید خانے کا دروازہ کتنی جلدی کھل گیا تھا۔جب لوگ گلیوں میں گزرتے ہوئے انہیں دیکھ دیکھ کر تالیاں بجاتے، خوشی سے نعرے لگاتے اوران کے رتھ کے آگے بچھے جاتے تھے۔تو انکا دل اپنے باپ دادا کے وفادار خدا کی تعریف سے لبریز ہوتا جاتا تھا جس نے کسی لمحے بھی ان کا ساتھ نہ چھوڑا تھا۔جو وقت خدا نے مقرر کر رکھا تھا سب کچھ مناسب طور سے بروقت انجام پا رہا تھا۔اب ان کے خواب جزوری

طور پر پورے ہو چکے تھے۔ کیونکہ اب وہ حقیقت میں حاکم بن چکے تھے۔ ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ اعلیٰ منصب انہیں اپنی خاطر نصیب نہیں ہوا بلکہ خدا نے انہیں اپنے گھرانے سے پیشتر مصر میں اس لئے بھیجا تھا تاکہ وہ انہیں فاقہ کشی سے بچانے کے لئے پہلے ہی جگہ تیار کرلیں۔

اب شاہانہ ٹھاٹھ سے حضرت یوسف کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ آسناتھ کے ساتھ ان کا بیاہ بڑی دھوم دھام سے انجام پایا۔ حضرت یوسف کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی۔ آخر کار انہیں ایک ایسا دل مل گیا تھا جو صرف ان کیلئے دھڑکتا تھا۔ انہیں ایک ایسا ساتھی مل گیا تھا جو ان سے محبت کرتا اور ان کا شریک حیات تھا۔ لیکن ایسے میں وہ زیادہ وقت گھر پر نہیں گزار سکتے تھے۔ پہلے دو سال تو انہیں بہت زیادہ دوروں پر جانا پڑا تھا۔

حضرت یوسف نے کسانوں کو فصلوں پر زیادہ سے زیادہ کام پر مامور کئے رکھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کھیتوں سے وافر مقدار میں غلہ حاصل کیا جائے۔ اس لئے وہ اور ان کے افسران کھیتی باڑی کی زیادہ مفید زرعی تکنیک سکھانے میں مصروف رہتے تھے۔ کسانوں نے بھی پیدوار کو محفوظ اور ذخیرہ کرنا سیکھ لیا۔ انہیں تربیت دینے کے بعد حضرت یوسف کو اناج کے گوداموں کی تعمیر کی نگرانی بھی کرنی پڑتی تھی۔ بڑی تن دہی سے مختار مصر حضرت یوسف پر کٹائی پر پیداوار کا پانچواں حصہ ذخیرہ کر لیتے تھے۔ وہ قوم کو عظیم ترین بحران سے بچانے کے لئے اپنی سرتوڑ کوشش کررہے تھے۔

بہت سے مصری معززین اس اجنبی سے جسے اتنے اعلیٰ عہدے سے فائز کر دیا گیا تھا حسد کرنے لگے تھے۔ اس کے علاوہ متعدد ایسے لوگ بھی تھے جو ایک ایسے عبرانی کو جو کہ مجرمانہ پر منظر کا حامل غلام تھا ایک حاکم کے عہدے پر پا کر غصے ہوئے جاتے تھے۔ اتنی زیادہ مخالفت ہونے کے باوجود حضرت یوسف ان ہی کے سامنے کمال وفاداری سے اپنے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں سرگرداں رہتے تھے۔ خدا

اس مشکل وقت میں ان کے ساتھ تھا اور انہیں برکت دیتا تھا۔

خوش حالی کے ان سات سالوں میں خدا نے انہیں دو بیٹوں سے نوازا۔ پہلے بیٹے کا نام انہوں نے منسی رکھا جس کا مطلب ہے بھلا دینا اور دوسرے کا افرائیم یعنی پھل دار۔

کافی دن باہر رہنے کے بعد جب حضرت یوسف گھر پہنچے تو ہلچل سی مچ گئی۔ منسی اور افرائیم دوڑتے ہوئے آئے اور باپ نے دونوں کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔

شکر ہے کچھ دیر کیلئے آپ گھر تو آئے۔ یقین جانیں مجھے آپ بہت یاد آتے ہیں آسناتھ نے کہا۔

جب دونوں بچے جا کر سو گئے تو والدین نے ان پر پیار بھری نظر ڈالی۔ حضرت یوسف نے اپنی باہیں اپنی چہیتی بیوی کے گرد حمائل کر دیں اور کہنے لگے۔ تم سب مجھے بہت عزیز ہو۔ خدا نے غلامی کے دنوں اور گھر کی اداس اور تاریک یادوں کا کانٹا میرے دل سے نکال دیا ہے۔ اس کے علاوہ میں اس اجنبی دیس میں بہت زیادہ بارور اور سرفراز ہوا ہوں۔

آسناتھ نے معنی خیز انداز میں ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا، منسی کے بابا! اس کے ساتھ ہی آپ اپنے باپ اور بھائیوں سے ملنے کیلئے کتنے بے چین ہیں۔ ہیں نا؟ آپ انہیں یہاں بلا کیوں نہیں لیتے؟

حضرت یوسف نے بڑے کرب سے جواب دیا جہاں تک میرے بابا کا تعلق ہے، ان کیلئے تو میں برسوں پہلے مر چکا ہوں۔ آسناتھ میں نے جہاں اتنا انتظار کیا ہے تھوڑا اور انتظار کر لوں گا۔ خدا ہر کام اپنے وقت پر کرتا ہے۔ مجھے اپنے خواب سے معلوم ہو چکا ہے کہ ایک دن میرے بھائی میرے آگے جھک کر سجدہ کریں گے۔ یہ کہتے ہوئے ان کے چہرے پر غم کے گہرے سائے چھا گئے اور بات جاری رکھتے ہوئے بولے اس سے پہلے کہ ہمارا آمنا سامنا ہو، انہیں میرے ساتھ کئے ہوئے

اپنے سنگین گناہ کا احساس کرنا ہو گا۔ انہیں مجھ تک اور خدا تک پہنچنے کیلئے توبہ کرنی ہو گی۔ حاکم مصر حضرت یوسف نے اپنے سوئے ہوئے چھوٹے بیٹوں پر جھکتے ہوئے سرگوشی کی، مجھے اس دن کا شدت سے انتظار ہے۔

آٹھواں باب

حیرت انگیز ملاقات

صرف مصر پر ہی نہیں بلکہ قحط کے تباہ کن اثرات کنعان پر بھی پڑے۔ حضرت یعقوب اپنے خیمے کے دروازے میں بیٹھے مغرب میں ڈوبتے ہوئے آتشیں گولے جیسے سورج کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے خیالات ماضی کے خوش گوار دنوں میں بھٹک رہے تھے جب راخل، لیاہ اور یوسف زندہ تھے۔ یوسف کو تو تقدیر نے کتنی بے رحمی سے ان سے چھین لیا تھا۔ پریشان حال حضرت یعقوب نے ٹھنڈی سانس بھری۔ اب تو سب جا چکے تھے، ان کی دنیا سے دور، اور اب اس جہان سے رخصت ہونے کی ان کی باری تھی۔ وہ کتنا دکھ بھرا دل لے کر جائیں گے۔ اس ساری مصیبت کے ذمہ داران کے جھگڑالو اور اکھڑ بیٹے تھے۔ وہ افسردہ بزرگ اکثر پوچھتا خدا اپنا وعدہ کیسے پورا کرے گا اور ان لڑکوں میں سے ایک قوم کیسے بنا پائے گا؟

اس خیال کے آتے ہی انہوں نے اپنا دکھتا ہوا سر اپنے لاغر ہاتھوں میں تھام لیا اور کراہتے ہوئے بولے اے خدا! تو نے میرے پرانے دل کے بدل ڈالا ہے۔ تو ان کے دل بدلنے پر بھی قادر ہے۔ لیکن اے خداوند! مجھے ڈر ہے کہ جلد ہی کنعانی ہم پر چڑھ آئیں گے کیونکہ ہم اس سرزمین پر اجنبی ہیں۔ وہ تو پہلے ہی ہمیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ ہم ان چراگاہوں میں اپنے ریوڑ چراتے ہیں۔ اے خداوند! مجھے خدشہ ہے کہ کہیں ان کے دل جیتنے کیلئے میرے بیٹے ان بت پرستوں کے ساتھ شادیاں نہ رچا لیں۔ اے خداوند! آخر ہم جان بچا کر جائیں تو کدھر جائیں؟ تو ہی ہماری راہنمائی کر خداوند

بنیمین جواب تیس سالہ کڑیل جوان تھا باپ کو خبردار کرنے کیلئے کھنکارا۔ دن غروب ہوتے وقت وہ اکثر اس جگہ اپنے تنہا باپ کے پاس آ بیٹھتا تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے اپنے دل کا درد اپنے باپ کے آگے انڈیل دیا۔ بابا! میری

سمجھ میں نہیں آتا کیا زندہ خدا نے ہمیں چھوڑ دیا ہے؟ یہ قحط آخر ہمیں کہاں تک لے جائے گا؟ آض بھی بہت سے مویشی بھوک سے مر گئے ہیں۔ اور جو بچ رہے ہیں، ان کی بھی بری حالت ہے۔ اس نے بے تابی سے اپنے باپ کی آنکھوں میں جھانکا۔ آپ کو کچھ خبر ہے؟ اب تو ہمارے پاس کھانے کو کچھ بھی نہیں رہا؟ چھوٹے بڑے سبھی فاقوں سے ہیں۔ ہمارے کچھ نوکر بھی بیاری سے موت کا شکار ہو گئے ہیں۔ ان میں قوت مدافعت بالکل ختم ہو چکی تھی۔

حضرت یعقوب کے سینے میں غصے کی آگ بھڑک اٹھی۔ وہ بڑبڑائے بس اب ایک ہی راستہ ہے۔ ساری دنیا اناج خرید نے مصر جارہی ہے لیکن میرے بیٹے، وہ تو فقط بڑ بڑ باتیں ہی بنا سکتے ہیں کہ خدا نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اب ان کی آواز اور بلند ہو گئی تھی، خدا ان سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنی خوراک کیلئے خود کچھ کریں۔ اسے سستی پسند نہیں ہے۔

بنیمین نے سر ہلایا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا، آخر میرے بھائی مصر جانا کیوں پسند نہیں کرتے! بھائی شمعون کے بیٹے نے مجھے بتایا کہ اس کے باپ کو تو ہر رات مصر کے ڈراؤنے خواب آتے ہیں اور ہمیشہ ان کا انجام ایک سا ہی ہوتا ہے۔ وہ پسینے سے شرابور یوسف کو پکارتے ہوئے اٹھ بیٹھتا ہے۔

پھر بنیمین نے اپنے باپ سے التجا کی، بابا! مجھے ہی چند آدمیوں کے ساتھ مصر جانے کی اجازت دے دو۔ ہمیں جلد ہی کچھ کرنا ہوگا ورنہ سب برباد ہو جائیں گے۔

یہ سنتے ہی حضرت یعقوب نے بڑی گرمجوشی سے بولے، نہیں تم یہیں رہو گے۔ میں تمہارا نقصان برداشت نہیں کر سکتا۔ تمہارے بھائی مصر جائیں گے۔ اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میری برداشت سے باہر ہو گی۔ اسی وقت کوچ کی تیاری کرواتا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ یعقوب کے بیٹے اس قدر ڈھیلے کیوں ہیں!

پس حضرت یعقوب کے کہنے پر اتنا تو ہوا کہ بنیمین کے بھائی اپنے گدھے لے

کر بادل نخواستہ سفر پر روانہ ہو گئے۔ جب وہ مصر کی طرف جا رہے تھے تو ان میں سے ہر ایک کو دل ہی دل میں حضرت یوسف یاد آ رہے تھے۔ 25 برس پہلے ان کو بھی اسی طرح مصر جانا پڑا تھا۔ اس وقت سے ان میں کسی نے بھی اپنے چھوٹے بھائی کے نام کا ذکر تک نہ کیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود یوسف کا نقش ان کے ذہنوں میں ثبت رہا۔ اکثر ان کے بھائی کی صورت ان کی نگاہوں میں پھرتی رہتی تھی جب 25 برس پہلے وہ ان سے گڑگڑا کر رحم کی بھیک مانگ رہا تھا۔

دان نے بجھے دل سے کہا، بابا نے بنیمین کو ہمارے ساتھ بھیجنے سے انکار کیا۔ اس کا ہم پر اب بھی کوئی اعتماد نہیں۔

یہوداہ نے اعتراف کیا، ہم اسی سلوک کے مستحق ہیں۔ کم از کم بنیمین کے ساتھ رہنے سے بابا کو تسلی رہتی ہے۔

لاوی نے بڑی ڈھٹائی سے کہا، بھلا یہ کیوں؟ کیا بابا کو اپنے زندہ خدا پر بھروسا نہیں رہا کہ وہ بنیمین کو بحفاظت گھر واپس لے آئے گا؟

یہوداہ نے لاوی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ بابا کے ایمان پر نکتہ چینی کرنے کی پھر جرأت نہ کرنا۔ خدا پر ان کا ایمان بہت پختہ ہے۔ دیکھتے نہیں کہ وہ کس طرح اس کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے آرزومند رہتے ہیں؟ سالوں سے وہ باقاعدہ ہمارے گناہوں کی نشان دہی کر کے ہمیں بھی بدی سے روکتے رہتے ہیں۔ پھر ٹھنڈی سانس بھر کر کہا کاش میں بھی خدا کو ویسے ہی جانوں جیسے بابا جانتے ہیں۔

حضرت یعقوب کے گھرانے کا ہر فرد قحط کی وجہ سے سخت پریشان تھا۔ لیکن اس میں بھی خدا کی حکمت تھی۔ وہ انہیں اپنے وطن سے نکال کر حضرت یوسف کی طرف لے جا رہا تھا۔ اگر قحط اتنا مہلک نہ ہوتا تو ہرگز مصر نہ جاتے۔

دوران سفر ایک رات حضرت یوسف کے بھائیوں کی ملاقات مدیانی تاجروں

سے ہوئی اور انہوں نے ان کے ساتھ مل کر خیمے گاڑے۔ جب وہ آگ کے الاؤ کے گرد بیٹھے تھے تو ان میں سے ہیفر نامی ایک تاجر نے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے حاکم مصر صفنات فعنیح کو فوراً تلاش کرنے کو کہا۔ وہ فرعون کے شہر میں کسی ایک اناج کے گودام میں ہی ہوگا۔ ہیفر نے مزید کہا، اتنے اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود حاکم بڑا با اخلاق شخص ہے۔ عام آدمی سے تو ایسے گپ بازی کرتا ہے جیسے وہ خود بھی انہی میں سے ایک ہو۔

دان نے بھنویں چڑھاتے ہوئے پوچھا لیکن ہم حاکم مصر کو پہچانیں گے کیسے؟

ہیفر نے جواب دیا، اسے پہچاننا بہت آسان ہے کیونکہ پوری رعایا میں اس جیسا حلیہ کسی کا نہیں ہے۔ صفنات فعنیح انسانی جسم میں دیوتا ہے۔ وہ سفید براق قیمتی شاہی لباس پہنتا ہے۔ اس کے کمر بند میں ایک جڑاؤ خنجر لٹک رہا ہوتا ہے۔ اس کے کندھوں کے گرد ایک مختصر لبادہ ہوتا ہے اور اس کے گلے میں ایک بڑی سی سونے کی زنجیر جھلملاتی ہے۔

یہ کہہ کر ہیفر کافی دیر تک آگ کو گھورتا رہا اور پھر دھیمے لہجے میں بولا کوئی بھی شخص اس سے کوئی بات بھی نہیں چھپا سکتا کیونکہ وہ انسان کے خیالات پڑھ لیتا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جس نے فرعون کو قحط کے بارے میں پیش گوئی کی تھی۔ اسی کی دور اندیشی کے طفیل مصر قحط کا سامنا کرنے کیلئے پوری طرح تیاری کر پایا ہے۔

ایک دوسرے تاجر نے دلیل دی میں نے سنا ہے وہ پیدائشی غیر ملکی ہے۔

آگ کو کریدتے ہوئے یہوداہ کہنے لگا اگر غیر ملکی ہے تو پھر اس میں اپنا ہی فائدہ ہے۔ مصری عبرانیوں کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ خدا کرے ہمارے خریدنے کیلئے کچھ اناج بچ گیا ہو۔

ہیفر نے اسے تسلی دی۔ مختار مصر فراوانی کے سات سالوں میں بہت ہی مصروف رہتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے ریت کے ذروں کی مانند اناج جمع کیا ہے۔ فرعون کا

اس شخص پر بھروسا کرنا بجا ہے۔ وہ اپنے کام کو کمال وفاداری اور دیانت داری سے کرتا ہے اور لوگوں کا سچ مچ بہت خیال رکھتا ہے۔

جتنی باتیں ان دس بھائیوں نے سنی تھیں ان سے ان کی بڑی ڈھارس بندھی۔ صبح کو وہ اپنے گدھے لے کر جلد ہی فرعون کے شہر میں داخل ہوئے۔ یوسف کا آسیب بری طرح ان پر مسلط تھا۔ یہاں تک کہ پھاٹک میں داخل ہونے پر راستے میں آنے والے دیوتاؤں کے سنہرے مندروں پر بھی ان کی نظر نہ پڑی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ 40 برس کے غلاموں کے چہروں کو بھی دیکھتے جاتے تھے۔ یوسف سے مل جانے کا خوف ان پر طاری تھی کہ کہیں اس بھائی سے ملاقات نہ ہو جائے جسے انہوں نے غلام بنا کر بیچ ڈالا تھا۔ ایک دفعہ تو ایک غلام ان پر برس ہی پڑا۔ ان کو گھورتے ہوئے بولا غیر ملکی بھکاریو! تم نے کبھی آدمی نہیں دیکھے؟ دفع ہو جاؤ۔

اب تو حضرت یعقوب کے بیٹوں میں زبردست جھگڑا شروع ہو گیا۔ ہر کوئی دوسرے کو الزام دیتا تھا۔ وہ اسی طرح الزام تراشی کرتے ہوئے لڑتے جھگڑتے اناج کے ایک گودام کے پاس جا پہنچے۔

یہوداہ نے ان کی منت کی کہ جھگڑا ختم کر کے اپنے بہترین کردار کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کریں۔ اگلے ہی لمحے وہ دس غیر ملکی سینکڑوں مردوں اور عورتوں کے ہجوم میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے ایک ہی نظر میں بھانپ لیا تھا کہ یہاں صرف ہم ہی غیر ملکی نہیں بلکہ دوسرے ممالک سے بھی بہت سے لوگ آئے ہوئے ہیں۔ لیکن روبن واحد شخص تھا جس نے کسی نہ کسی طرح حاکم مصر کو فوراً ڈھونڈ نکالا۔ اب وہ اس کے سامنے تھا۔ گٹھا ہوا جسم، ایسا شکیل نوجوان بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ اس کے پیچھے اعلیٰ افسران کی قطار لگی تھی اور اس کے پہلو میں موجود شخص غالباً اس کا ترجمان تھا۔ حاکم کو عام لوگوں کے ساتھ گھل مل کر باتیں کرتے دیکھ کر دل خوش ہو جاتا تھا۔

تمام بھائی یہوداہ کی قیادت میں اس عظیم شخصیت سے ملنے کو بڑھے۔ اگلے ہی

لمحے وہ گھبرا گئے۔ کیونکہ پہلے تو وہ انہیں محبت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا لیکن جلد ہی وہ غضب ناک ہو گیا۔ وہ ان پر سنگین جرم عائد کر رہا تھا۔ اس کی باتوں کو سمجھنے کیلئے کسی مفسر کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ سب پر واضح ہو گیا تھا کہ ان پر جاسوسی کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ سب بھائی اس کے سامنے گھٹنوں کے بل گر گئے اور خوف زدہ نگاہوں سے اس کی غصیلی دھاڑ سننے لگے۔ تم ہمارے ملک کی جاسوسی کیلئے آئے ہو۔ کہاں سے آئے ہو؟

وہ شخص جو حضرت یوسف کی باتوں کا ترجمہ کر رہا تھا حیران تھا کہ حاکم خود ان سے براہ راست عبرانی میں بات کیوں نہیں کرتا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ ان کی زبانی روانی سے بول سکتا ہے۔ اس نے اپنے آقا کا ایسا مزاج اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

جب گھبرائے ہوئے بھائی ان کے سامنے زمین پر دوزانو تھے تو حضرت یوسف کو عرصہ پہلے کا خواب یاد آیا۔ اب وہ پورا ہو چکا تھا۔ ان کے بھائی ان کے سامنے سر جھکائے ہوئے تھے۔ ان کے دل میں جذبات کا طوفان اٹھ رہا تھا۔ آرزو، اطمینان، انتقام کی آزمائش، رحم ان کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا ان کا جی چاہتا تھا کہ وہ تمام طرح کی رکاوٹ ایک طرف کر کے انہیں فوراً گلے لگا لیں لیکن وہ جانتے تھے کہ ان کا یہ رویہ بھائیوں کے حق میں اچھا نہ ہو گا۔ حضرت یوسف کو اپنا دل سخت کرنا پڑا تا کہ ان کے بھائی ہوش میں آئیں اور اپنی بری زندگی کا سامنا کریں۔ انہوں نے بھائیوں پر ایک مضطرب نگاہ ڈالی اور فوراً جان لیا کہ بنیمین ان میں نہیں ہے تو کیا انہوں نے اسے بھی مار ڈالا؟

دوسری طرف وہ بھائی اتنا سنگین الزام لگنے پر شدید صدمے کا شکار تھے۔ جاسوسی کے الزام میں تو انہیں فوراً موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا تھا۔ موت کے خوف سے وہ تھر تھر کانپنے لگے۔ یہوداہ نے ان سب کی طرف سے جلدی سے جواب دیتے ہوئے کہا آقا! ہم جاسوس نہیں بلکہ کنعان سے اناج خریدنے آئے ہیں۔

لیکن حضرت یوسف اصرار کرتے رہے۔نہیں تم جاسوس ہی ہواور یہ پتہ لگانے آئے ہو کہ ہمارے **ملک** کی کمزوری کیا کیا ہے۔

حیرت کا مقام ہے کہ خوف کی اس کیفیت میں جبکہ وہ موت کے شکنجے میں تھے انہیں اچانک حضرت یوسف یاد آ گئے۔تقریباً 25 برس پہلے انہوں نے بھی ان پر یہی سنگین الزام لگایا تھا کہ وہ باپ کی طرف سے ان کی جاسوسی کرنے کیلئے ان کے پیچھے آئے ہیں۔

یہوداہ نے ایک بار پھر ہمت کر کے کہا،نہیں میرے آقا،ہم جاسوس نہیں ہیں۔ ہم ایماندار آدمی ہیں۔ہم سب بھائی ہیں۔یقین کیجئے،ہم صرف اناج لینے ہی آئے ہیں۔

ہم ایماندار آدمی ہیں۔یہ الفاظ حضرت یوسف کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اتر گئے۔تو کیا انہوں نے جو کچھ اپنے بھائی یوسف کے ساتھ کیا تھا سب بھلا دیا ہے؟ ظاہر تھا کہ ہوش میں آنے کیلئے انہیں ابھی زلزلے کے سے جھٹکے کی ضرورت تھی۔لہٰذا حضرت یوسف نے انتہائی سخت لہجے میں کہا،نہیں!تم ہمارے **ملک** میں جاسوسی کرنے ہی آئے ہو۔

موت کے دہانے پر کھڑے ہو کر اب ان کا احساس جرم بھڑک اٹھا۔یہوداہ نہایت ملتجی انداز میں چلانے لگا،میرے آقا!ہم کل بارہ بھائی تھے،کنعان کے ایک باسی کے بیٹے ایک بھائی مر چکا ہےاور سب سے چھوٹا ہمارے باپ کے پاس ہے۔

ان کے دل بری طرح دھڑک رہے تھے۔سب محسوس کر رہے تھے کہ خدا ہمیں ہمارے اس سنگین گناہ کی سزا دے رہا ہے۔بچنے کا کوئی راستہ نہ تھا کیونکہ حاکم مصر کی آواز کی گرج ابھی تک سنائی دے رہی تھی۔میں کہہ رہا ہوں تم جاسوس ہی ہو اور اس سلسلے میں تمہاری باتوں کو اس طرح پرکھا جائے گا۔جب تک تمہارا سب سے چھوٹا بھائی یہاں نہیں آئے گا تم یہاں سے نہیں جا سکتے۔تم میں سے ایک واپس جا کر

اسے لے آئے۔ باقی اس وقت تک نظر بند رہیں گے جب تک تمہاری باتیں سچ ثابت نہ ہو جائیں۔

یوں لگتا تھا کہ ان کی التجا کا حاکم پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ چنانچہ تین دن تک انہیں حراست میں رکھا گیا۔ حق بات تو یہ ہے کہ بھائیوں سے ایسا سلوک کر کے حضرت یوسف کو بہت دکھ ہو رہا تھا۔

اب ان کا رتھ ان کے بنگلے میں داخل ہوا۔ اس شام غلاموں اور دیگر اہلکاروں نے ان کے رویے میں فرق کو فوراً بھانپ لیا۔ ان کے آقا کو بوجھل قدموں سے ظاہر تھا کہ ان کے ذہن پر ایک بڑا بوجھ ہے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ وہ اپنے بھائیوں سے ملے اور ان کی ملاقات اور ان کے ساتھ سخت رویے نے انہیں اتنا توڑ دیا ہے۔ حضرت یوسف نے محسوس کر لیا تھا کہ خدا انہیں بھائیوں کو راہ راست پر لانے کیلئے استعمال کر رہا ہے تا کہ وہ انہیں ایک بڑی قوم بنا سکے۔

آسناتھ اپنے چھوٹے بیٹوں کے ساتھ بچوں کے کمرے میں تھی۔ جب حضرت یوسف نے منسی کو اپنے ننھے بھائی کو بوسہ دیتے اور اس کے ساتھ کھیلتے دیکھا تو بے اختیار مسکرا دیئے۔ وہ بڑی سنجیدگی سے بولے، خدا کرے تم ہمیشہ اپنے بھائی سے اسی طرح محبت کرتے رہو۔

آسناتھ نے دل سے آمین کہا۔ وہ جانتی تھی کہ اس وقت اس کا خاوند اپنے بھائیوں کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ جب حضرت یوسف نے انا کو کچھ دیر کیلئے باہر جانے کو کہا تو وہ سمجھ گئی کہ وہ تنہائی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ اپنے خاوند کی قربت کے یہ لمحے اس کے نزدیک کتنے بیش قیمت تھے۔ حضرت یوسف نے منسی کو اپنی گود میں بٹھا لیا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے بھائیوں سے ملاقات کا ذکر چھیڑ دیا۔

آسناتھ کہنے لگی، میرے سرتاج، آپ تو عرصے سے ان کے منتظر تھے، ہے نا؟

اور ہمیشہ یہی دعا کرتے رہتے تھے کہ وہ جلد آ ملیں۔

ہاں! میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ اس وقت میرے کیا کیفیت تھی۔ اوہ! خون کے یہ رشتے بھی کتنے مضبوط ہوتے ہیں۔ ہم آمنے سامنے تھے، ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہے تھے، پھر بھی ایک دوسرے سے کتنے دور تھے۔ ہمارے درمیان گناہ کی دیوار حائل تھی۔ ان کے بھلے کی خاطر مجھے اپنا دل سخت کرنا پڑا۔ اگر انہیں فوراً بتا دیتا کہ میں یوسف ہی ہوں اور انہیں وافر مقدار میں اناج دے دیتا تو وہ محض خوراک کی وجہ سے مجھ سے محبت کرنے لگتے۔ آنسو ان کے رخساروں پر بہنے لگے۔

سچ تو یہ ہے کہ میں آج بھی اپنے بھائیوں کو اسی طرح ڈھونڈ رہا ہوں جیسے سکم میں پہنچ کر کیا تھا۔ لیکن مجھے ان کا دل چاہیے، ان کی محبت چاہیے،

انہوں نے بڑے خلوص سے اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے بات جاری رکھی، ابھی اس بات کی ضرورت ہے کہ خدا ان کے دلوں میں ایک بڑا معجزہ کرے۔ مجھے نہ تو اتنی جلدی کرنی ہے کہ خدا سے آگے نکل جاؤں اور نہ ہی پیچھے رہنا ہے۔ مجھے گویا اس کے قدموں سے قدم ملانے ہیں۔ ابھی بہت کچھ ہونا ہے۔ خدا کو بھی ان کا دل اور ان کی محبت مطلوب ہے۔

آسناتھ کو اپنے شوہر پر ترس آ رہا تھا۔ وہ ہمدردی سے بولی منسی کے بابا! اس وقت تو آپ کیلئے ان کا نظر بند ہونا ہی بہت اذیت کا باعث ہوگا۔ ہے نا؟ آگے ان کے بارے میں آپ کا ارادہ کیا ہے؟

تین دن تک تو میں ان کو اس غیر یقینی حالت میں حراست میں رکھوں گا۔ اس دوران میں اس امید کے ساتھ دعا کرتا رہوں گا کہ خدا ان کے دلوں سے ہم کلام ہو۔ پھر میں شمعون کو ان کی نظروں کے سامنے رسیوں سے جکڑ کر قید میں ڈالوں گا۔ امید ہے کہ یہ دیکھ کر انہیں اس الم ناک دن کی یاد ستانے لگے گی جب انہوں نے

مجھے باندھ کر بیچ دیا تھا۔ باقی بھائیوں کو میں اپنے فاقہ زدہ گھرانے کیلئے اناج دے کر گھر روانہ کر دوں گا۔ مجھے امید ہے کہ جلد ہی وہ اپنے بھائی بنیمین کو لے کر لوٹ آئیں گے۔

آسناتھ نے مسکرا کر ان کے چہرے پر نظر ڈالی، خدا کرے کہ یہ وقت بھی جلد گزر جائے۔ مجھے تو آپ کے بوڑھے باپ کا خیال آ رہا ہے۔ ایک بار پھر انہیں ایک بیٹے کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑے گا۔

نواں باب

حاکم مصر کی رہائش گاہ پر

حضرت یوسف کو ان دنوں اپنی رہائش گاہ ویران سی لگ رہی تھی۔ان کی بیوی آسناتھ اپنے والدین سے ملنے کیلئے ،ہیلیو پلس گئی ہوئی تھی۔ بے شک انہوں نے ہی اسے جانے پر رضا مند کیا تھا۔لیکن بیوی بچوں کے بغیر یوں لگتا تھا جیسے دن گزرنے کے ہی نہیں تھے۔ان کو گھر سے گئے صرف چار ہی ہفتے ہوئے تھے۔ابھی ایک اور ہفتہ ان کے بغیر ہی گزارا کرنا تھا۔آج عام تعطیل تھی۔ایک دیوتا کا تہوار تھا۔حضرت یوسف نے اس خلا کو گھر کی مصروفیات سے پر کرنا چاہا لیکن ان کا دل کسی کام میں بھی نہ لگا۔وہ بڑی بے چینی سے اپنے بنگلے میں گھومنے لگے۔ان کے پاؤں دبیز قالین میں دھنستے چلے جا رہے تھے۔پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو نے ان کے نتھنوں کو معطر کر دیا۔پورے گھر میں بڑے قرینے سے گلدان سجے ہوئے تھے۔ایک موسیقار نہایت سریلی دھن بجا رہا تھا لیکن وہ بھی ان پر بے اثر ثابت ہو رہی تھی۔ آخر کار ارام جو ان کا قابل اعتماد غلام اور گھر کا منتظم تھا ان کے سامنے سے گزرا۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا، ارام، ذرا ٹھہرو، میرے بیوی بچوں کی کوئی خبر؟ وہ کب تک لوٹ رہے ہیں؟

ارام کی نگاہیں اپنے مالک کی نگاہوں سے ٹکرائیں۔نہیں، میرے آقا! خدا نے چاہا تو وہ جلد ہی صحیح سلامت لوٹ آئیں گے۔سارے ملازم اپنی رحم دل مالکہ اور بچوں کی کمی کو بری طرح محسوس کر رہے تھے۔حاکم مصر کا گھرانا ان میں سے تھا جہاں گھر کے ہر فرد کو محبت ملتی تھی۔

ارام نے دھیمے لہجے میں جواب دیا، میرے آقا! ہوسکتا ہے ہماری مالکہ وقت سے پہلے ہی آجائیں۔عموماً وہ گھر سے زیادہ عرصہ باہر نہیں رہ سکتیں۔

جب حضرت یوسف اپنے پرائیویٹ کمرے کی طرف تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے

جانے لگے تو ان کے خیالات کا دھارا شمعون کی طرف بہ نکلا۔ وہ ابھی تک اس سرکاری قید خانے میں بندھا پڑا تھا جہاں انہوں نے خود کئی اذیت ناک سال گزارے تھے۔ وہ سوچنے لگے کہ شمعون پر کیا بیت رہی ہوگی۔ وہ خدا کی آواز سن رہا ہوگا کہ نہیں؟ کیا اس کی توبہ تک نوبت پہنچ گئی ہے؟ پھر حضرت یوسف کا ذہن دوسرے بھائیوں کی طرف مڑ گیا جو کنعان کے لمبے سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ کیا وہ بنیمین کو لے کر لوٹ کر آئیں گے؟ ان کا باپ ایک اور اذیت ناک دور سے گزر رہا ہوگا۔ کاش وہ اسے جلد مل سکیں!

اپنی خواب گاہ میں جا کر حضرت یوسف دعا میں اتنے جھک گئے کہ ان کا ماتھا زمین سے جا لگا۔ اے میرے باپ دادا کے خدا! میرے بھائیوں کی واپسی کا دن جلد لا۔ میرا دل بنیمین کیلئے تڑپ رہا ہے۔ میرے باپ کو توفیق عطا کر کہ وہ اسے ان کے ساتھ آنے کی اجازت دے دے۔ اے قادر مطلق خدا، میرے باپ کو اتنی زندگی عنایت کر کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ جو وعدہ تو نے اپنی محبت میں اس کے ساتھ کئے تھے انہیں تو نے کمال وفاداری سے پورا کیا ہے۔

حضرت یوسف کافی دیر تک دعا میں جھکے رہے۔ انہیں خدا کی حضوری میں بڑی تسلی اور حوصلہ ملا۔ آخر کار وہ اٹھے اور جھروکے میں جا کھڑے ہوئے۔ فوارے کی خوش گوار رم جھم دوپہر کی چلچلاتی دھوپ کے اثر کو زائل کرنے پر کمر بستہ تھی۔ حضرت یوسف کے دل میں خواہش ابھری کہ کاش وہ بھی ایک فوارہ ہوتے ایک ایسا ظرف جس میں سے خدا کا روح دوسروں تک پہنچ پاتا، خاص طور پر مصریوں تک ان کے بھائیوں تک تا کہ وہ ان کیلئے برکت کا باعث ہوتا!

کیا واقعی وہ اپنے بھائیوں کو معاف کر سکتے ہیں؟ ابھی تک ان کی نظروں میں وہ منظر سمایا ہوا تھا جب بھائیوں نے انہیں مدیانیوں کے ہاتھوں بیچ کر رقم وصول کی تھی۔ صرف 20 روپے حضرت یوسف کی آنکھیں بھر آئیں۔ انہیں وہ دن یاد آ گیا

جب انہوں نے سب کے سامنے شمعون کی مشکیں کسی تھیں۔ ان کے بھائیوں نے دانت کچکچاتے ہوئے آپس میں کہنا شروع کیا تھا، ہم نے جو کچھ اپنے بھائی کے ساتھ کیا تھا اس کا نتیجہ اب بھگت رہے ہیں۔ جب وہ رحم کی بھیک مانگ رہا تھا تو کتنی سخت اذیت میں تھا۔ پھر بھی ہم نے اس کی ایک نہ سنی۔

روبن ان پر برس پڑا، میں نے تمہیں بتایا نہ تھا کہ اسے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچانا؟ لیکن تم میری کہاں سنتے تھے۔ اور اب ہمیں اس کی موت کی قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے۔

جو کچھ حضرت یوسف ان کی زبانی سن رہے تھے ان باتوں نے انہیں یہاں تک دل گرفتہ کر دیا کہ بے اختیار ان کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے۔ اس لئے وہ انہیں چھوڑ کر کسی علیحدہ کمرے میں چلے گئے۔ عرصہ پہلے جو دہشت ان پر طاری تھی اس کی یاد سے حضرت یوسف اس طرح پھوٹ پھوٹ کر روئے کہ ان کا پورا وجود کانپنے لگا۔ لیکن یہ آنسو خوشی کے آنسو بھی تھے کیونکہ ایک بات تو ان پر واضح ہو چکی تھی کہ خدا بھائیوں کے دلوں میں کام کر رہا ہے۔

حضرت یوسف کا دل اپنے بھائیوں ہی میں اٹکا تھا۔ انہوں نے حکم دیا تھا ان کے بورے غلے سے بھر دئے جائیں اور رقم ان بوروں ہی میں واپس رکھ دی جائے۔ انہیں سفر کیلئے بھی اناج مہیا کیا گیا تھا۔

ہوا کے گرم جھونکوں سے کھجور کے درخت سرسرا رہے تھے۔ حضرت یوسف بے حس و حرکت کھڑے بظاہر بڑے غور سے اس آواز کو سن رہے تھے۔ لیکن دراصل اس سرسراہٹ میں انہیں ایک اور آواز سنائی دے رہی تھی پہیوں کی چرچراہٹ اور گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز جو اب قریب آتے آتے خاصی بلند ہوتی جا رہی تھی۔ تو کیا اس کا مطلب ہے؟

حضرت یوسف کا گمان درست تھا۔ ان کے بیوی بچے گھر لوٹ آئے تھے۔



ہے۔اس عہدے کی وجہ سے بہت سے معززین آپ سے حسد کرتے ہیں۔ابا کو اس بات کی خوشی ہے کہ آپ نے اس عرصے میں خود کو مصری رنگ میں اس قدر رنگ لیا ہے کہ بہت سے لوگ تو یہ بالکل بھول چکے ہیں کہ آپ عبرانی ہیں۔خیر،فرعون آپ پر پورا اعتماد رکھتا ہے۔اس کے بدعنوان افسروں میں صرف آپ ہی تو وفادار اور مخلص ہیں جنہوں نے مصر کو تباہی سے بچانے کا سامان کیا ہے۔

آسناتھ کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے اپنے عہدے سے متعلق اپنے شوہر کے نظریات انہی کی زبانی سنے۔حضرت یوسف کی آواز میں ٹھہراؤ تھا۔وہ کہہ رہے تھے، مجھے یقین ہے کہ خدا نے یہ اعلیٰ منصب صرف ہماری اپنی خوشی کیلئے عطا نہیں کیا۔پھر کچھ دیر رک کر انہوں نے آسناتھ کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی کہ آیا وہ ان کی بات کو سمجھ رہی ہے یا نہیں۔پھر بات جاری رکھی۔آج سہ پہر خدا نے ایک بات مجھ پر واضح کی۔وہ یہ کہ اس نے مجھے اپنے گھرانے سے پہلے یہاں مصر میں اس لئے بھیجا کہ میں انہیں قحط سے بچا سکوں۔خدا حضرت ابراہیم کی اولاد سے ایک قوم بنانے والا ہے۔یوں اتنے شدید قحط میں گھر کر وہ میری محافظت میں یہاں ترقی کر سکیں گے۔

آسناتھ نے بڑے خلوص سے اپنے دل کی بات کہی، میری جان! میں اس کام میں آپ کے ساتھ ہوں۔آپ کا خدا میرا خدا اور آپ کے لوگ میرے لوگ ہیں۔ مجھے ان پر فخر ہے۔

آمین۔حضرت یوسف کو اس لمحے اپنے چوگرد خدا کی حضوری کا احساس ہوا۔ آسناتھ نے بھی اسے محسوس کیا۔دونوں کچھ دیر تک بالکل خاموش رہے۔پھر حضرت یوسف نے سکوت کو توڑا۔اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون کس عہدے پر فائز ہے۔اصل اور ضروری بات خدا کے ساتھ ساتھ چلنا اور اس کا فرمانبردار ہونا ہے۔ خوشی اسی کو کہتے ہیں۔یہاں تک کہ جب میں نے مصیبت کے طویل سال قید میں

گزارے تو اس وقت بھی مجھے یہ خوشی میسر تھی۔

جب حضرت یوسف نے اپنے گھرانے کے مصر منتقل ہونے کا ذکر کیا تو ان کا لہجہ پراعتماد تھا۔خدا کے وعدوں کے پورا ہونے اور اس کے منصوبے کی تکمیل پر انہیں ذرا بھی شک نہ تھا۔لیکن کبھی کبھی انہیں خدشات گھیر لیتے تھے۔انہیں ہمیشہ یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ ان کا باپ بوڑھا ہے۔کہیں وہ ان سے ملاقات سے پہلے ہی کوچ نہ کر جائیں۔سارے گھرانے کا دارومدار تو حضرت یعقوب پر ہی تھا۔ان کی ذات ہی پر سارے گھرانے کا اتحاد قائم تھا۔ان کے منظر سے ہٹتے ہی ان کے بیٹے یقیناً وراثت کیلئے لڑ مرنے لگیں گے۔اس طرح خدا کی قوم کبھی تشکیل نہیں ہونے پائے گی۔

کتنا ہی عرصہ بیت گیا لیکن بھائیوں کی کوئی خبر نہ ملی۔حضرت یوسف کی بے چینی بڑھتی جاتی تھی۔فوطیفار اور اس کے محافظوں کو حکم مل چکا تھا کہ ان عبرانیوں کیلئے اپنی آنکھیں کھلی رکھیں جن کے بھائی کو قید خانے میں روک لیا گیا ہے۔جب حضرت یوسف اور آسناتھ ہے ہاتھ سے بھائیوں کے پھر ملنے کی امید چھوٹنے ہی کو تھی تو پھر یہ واقعہ پیش آیا۔غلہ منڈی میں ایک صبح پہلے کی طرح گہما گہمی تھی۔لوگوں کا ہجوم امڈ چلا آ رہا تھا۔ارام اپنے مالک کی جائے کار پر آسناتھ کا پیغام لے کر آیا۔حضرت یوسف ابھی وہ پیغام پڑھ ہی رہے تھے کہ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے منڈی میں ایک دم خاموشی چھا گئی ہے۔سارا شوروغوغا موقوف ہو گیا۔جونہی انہوں نے نظریں اٹھائیں کیا دیکھتے ہیں کہ فوطیفار اور اس کے محافظ ان کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں۔دس غیر ملکی ان کے پیچھے پیچھے تھے۔حضرت یوسف کا دل دھک سے رہ گیا۔یہ تو ان کے بھائی تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کا چھوٹا بھائی بنیمین بھی ان کے ساتھ تھا۔

حضرت یوسف نے اپنی مضبوط قوت ارادی سے کام لیتے ہوئے اپنی خوشی کو دل

ہی میں دبا دیا اور بڑے کاروباری انداز میں ارم کو حکم دیا کہ وہ ان کو گھر لے جائے۔ پھر انہوں نے قدرے بلند آواز میں کہا یہ آدمی آج دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھائیں گے۔ ضیافت کا انتظام بھی کر دینا۔

فوطیفار کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ ان اجنبیوں کیلئے ضیافت کا اہتمام کیوں!

ادھر بھائیوں کو شدید دھچکا لگا۔ یہوداہ کو فوراً باپ کی یاد آئی اور اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا، خدا حافظ بابا، اب ہم کبھی بھی گھر نہیں لوٹ پائیں گے۔ پھر وہ دان کی طرف مڑا۔ یقیناً ہم پر اس رقم کی چوری کا الزام لگایا جائے گا جو ہمارے بوروں میں واپس لوٹائی گئی تھی۔

لاوی کی آواز بری طرح کانپ رہی تھی، میری بات یاد رکھو۔ وہ اچانک ہم پر حملہ کریں گے۔ گدھے چھین لے گے اور ہمیں غلام بنالیں گے۔

بنیمین نے احتجاج کرتے ہوئے کہا، مجھے تو حاکم مصر کی آنکھوں میں محبت کی جھلک نظر آئی ہے۔ کیا اس نے تمہیں نہیں بتایا کہ وہ خدا سے ڈرتا ہے؟

سب بھائی بنیمین کو اس کے بھولپن پر جھڑکنے لگے کہ اسے یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وہ یہاں اپنے باپ کے محفوظ خیمے میں نہیں بیٹھا بلکہ ظالم دنیا کے شکنجے میں ہے۔

اب وہ حضرت یوسف کی رہائش گاہ کے پھاٹک پر پہنچ چکے تھے۔ ارم کو دیکھتے ہی انہوں نے اندازہ لگالیا کہ وہ رحم دل آدمی ہے۔ لہٰذا انہوں نے اسے فوراً یقین دلایا کہ انہوں نے روپیہ نہیں چرایا۔ سب غلطی سے ہوگیا۔

یہوداہ کہنے لگا، دیکھئے جناب، ہم وہ ساری رقم واپس لے آئے ہیں۔ کچھ اور رقم بھی ساتھ لائے ہیں تاکہ اور اناج خرید سکیں۔

ارام نے یہوداہ کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے تسلی دی، فکر نہ کرو۔ ڈرو نہیں، تمہارے خدا نے تمہارے باپ کے خدا نے ضرور وہ رقم تمہارے بوروں میں ڈلوادی ہوگی۔

تمہارے اناج کی قیمت مل گئی تھی۔

بنیمین نے خوشی سے سر ہلاتے ہوئے کہا، میں نے تمہیں کہا نہیں تھا؟ پھر تم کیوں اتنے پریشان ہو؟

عبرانی مہمانوں کی خبر ہر زبان پر تھی، غلام حیران تھے کہ ان کا آقا کیوں ان لوگوں کیلئے ضیافت کا اہتمام کر رہا ہے۔ ان سادہ لوح گڈریوں کیلئے جو اپنے گدھوں پر سوار ہو کر آئے ہیں؟ انہیں پاؤں دھونے کیلئے پانی دیا گیا۔ ارام نے اپنی نگرانی میں گدھوں کو چارا دلایا۔

اس نے فوراً جا کر مہمانوں کی اطلاع آسناتھ کو دی جس نے چھپ کر انہیں بڑی دلچسپی سے دیکھا۔ خدا کا شکر ہے، اب وہ خاصے پرسکون دکھائی دے رہے تھے۔

جب بھائیوں کو بتایا گیا کہ وہ دوپہر کا کھانا حاکم مصر کے ساتھ کھائیں گے تو انہوں نے جلدی جلدی اس کیلئے تحائف نکالنے شروع کر دیئے۔

آسناتھ یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنے شوہر کے چھوٹے بھائی بنیمین کو پہچاننے میں ذرا بھی دقت نہ ہوئی۔ اس خیال سے کہ آج ضرور یوسف اپنے بھائیوں پر اپنی اصلیت ظاہر کر دیں گے۔ اس نے انا سے کہہ دیا کہ وہ بچوں کو بھی تیار کر دے۔ یقیناً یوسف چاہیں گے کہ اپنے بیٹوں کو بھی اپنے بھائیوں سے ملوائیں۔

آسناتھ ارام کے ساتھ شمعون کو دیکھ کر مسکرا اٹھی۔ فوطیفار نے اسے جیل سے رہا کر دیا تھا۔

ارام نے بھائیوں کی ہمت بندھائی۔ اب خوش ہو جاؤ۔ تمہارا بھائی بھی آ گیا ہے۔ حاکم بھی چند لمحوں میں آنے ہی والے ہیں۔ تمہیں سخت بھوک لگ رہی ہو گی۔ خوب سیر ہو کر کھانا کھانا۔ جب وہ انہیں چھوڑ کر جانے لگا تو اس نے شمعون کو بڑبڑاتے سنا، گھٹیا درندر! مصر لوٹنے میں تم نے اتنی دیر کیوں لگائی؟ وہ تو خیر ہوئی کہ

قحط ابھی ختم نہیں ہوا ورنہ تم مجھے اس سڑی ہوئی جگہ پر ہمیشہ کیلئے چھوڑ گئے ہوتے۔

جونہی حاکم مصر اندر داخل ہوا سب بھائی اس کے سامنے تعظیماً زمین بوس ہو گئے۔ انہوں نے سکھ کا سانس لیا جب ان کے اعلیٰ منصب میزبان نے خوش ہو کر ان کے تحائف وصول کیئے۔ ساتھ ساتھ وہ ان کی تعریف بھی کرتا جاتا تھا، یہ تو بہت خوبصورت تحفے ہیں۔ بہت بہت شکریہ کنعان کا شہد تو بڑا ہی خاص ہوتا ہے۔ اور یہ مسالے، بادام اور پستہ، ان کا تو جواب ہی نہیں۔ حضرت یوسف نے محبت بھری نظروں سے ان تحائف وک دیکھا جو ان کے باپ کے امنگوں بھرے دل نے بھیجے تھے۔ اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے بڑی محبت سے پوچھا، اچھا بتاؤ تو سہی، تمہارا بوڑھا باپ کیسا ہے؟ کیا وہ ابھی تک زندہ ہے؟

وہ اس سوال کا جواب سننے کیلئے کتنے بے چین تھے! اور جب انہوں نے باپ کی خیریت کی خبر سنی تو ان کے دل سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا۔

سب سے آخر میں حضرت یوسف نے بنیمین کے چہرے پر نظریں جمالیں۔ پھر کہا، اچھا! تو یہ ہے تمہارا سب سے چھوٹا بھائی جس کے بارے میں تم نے مجھے بتایا تھا۔ میرے بیٹے! خدا تجھے برکت دے، حضرت یوسف کا دل اپنے بھائی کی محبت سے اس قدر لبریز ہو گیا کہ وہ وہاں زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکے۔ چنانچہ وہ انہیں چھوڑ کر باہر نکل گئے۔ آسناتھ نے دیکھا کہ ان کے شوہر اپنے کمرے میں اپنے دل کا درد نکالنے کیلئے سسک رہے تھے۔ سالوں کے ٹھہرے ہوئے جذبات اب بہ نکلے تھے۔

بڑی مشکل سے حضرت یوسف کی حالت سنبھلی۔ انہوں نے اپنا منہ دھویا اور کھانے پیش کرنے کا حکم دیا۔ ایسے نازک موقع پر آسناتھ کی موجودگی سے وہ بہت خوش تھے۔ انہوں نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک میز پر اور بھائیوں نے دوسری میز پر کھانا کھایا جو مصری اس دعوت میں شریک تھے انہیں علیحدہ بٹھایا گیا کیونکہ وہ

عبرانیوں کے ساتھ کھانا کھانا اپنی شان کے شایان نہیں سمجھتے تھے۔

ایک بار پھر حضرت یوسف نے بھائیوں کو حیران کر دیا۔انہوں نے انہیں عمر کے حساب سے بٹھایا۔ پہلے سب سے بڑا بھائی اور آخر میں سب سے چھوٹا۔اس فعل سے وہ بہت مرعوب ہوئے۔یوں لگتا تھا جیسے حاکم لوگوں کے صرف خیالات ہی نہیں پڑھ سکتا بلکہ اور بھی بہت کچھ کر سکتا ہے۔

بھوک کے مارے ہوئے ان عبرانیوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔جلد ہی وہ خوشی سے ہوا میں اڑنے لگے۔ وہ ایک بات سے زیادہ حیران ہوئے کہ ان کا میزبان بنیمین کو بار بار کیوں کھانا بھجوا رہا ہے۔ وہ اس سے جلتے نہیں تھے۔انہیں اپنے اس چھوٹے بھائی سے بہت زیادہ محبت تھی۔حضرت یوسف خوش ہوئے جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے بھائی اس امتحان میں کامیاب ہو گئے۔اب وہ کافی بدل چکے تھے۔

حکام نے ارام کو اپنی میز پر بلا کر حکم دیا کہ ان سبھوں کے بورے اناج سے بھر دیئے جائیں۔باقی باتیں آسناتھ نہ سن سکی لیکن اس نے ارام کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات دیکھ لئے تھے۔

صبح سویرے عبرانیوں کو ان کے سفر پر روانہ کر دیا جانا تھا۔حضرت یوسف یہ سوچ کر کہ اس اگلے امتحان کا نتیجہ کیا ہو گا اچھی طرح سے سو نہ پائے تھے۔آسناتھ نے تھوڑی دیر اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کیں۔اپنے خاوند کی یہ خواہش جان کر کہ وہ اپنے بھائیوں کے اندر انسانیت دیکھنا چاہتے ہیں۔آسناتھ کے دل پر گہرا اثر ہوا۔اب جبکہ سورج آہستہ آہستہ طلوع ہو رہا تھا تو وہ چھت پر چڑھ گئی تا کہ ان بھائیوں کے کوچ کا منظر دیکھ سکے۔جب وہ خوشی خوشی اپنے سفر پر جا رہے تھے تو وہ دور تک ان کو دیکھتی رہی۔انہیں اپنا یہ آخری سفر بہت کامیاب لگا۔

آسناتھ حیران تھی کہ اب اس کا شوہر اپنے بھائیوں کا امتحان کیسے کرے گا۔



دسواں باب

سنجیدہ لمحات

شہر میں گویا دیہاتیوں کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ وہ خربوزے، پیاز اور اپنے کھیتوں کی دوسری پیدوار لے لے کر آ رہے تھے۔ ارام کیلئے لوگوں کا یہ ہجوم اور گاڑیوں کی بھر مار راستے کی رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ اس کے سر پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ ان عبرانیوں کو اس کے ہاتھ سے بچ کر نہیں جانا چاہیے۔ اس کے آقا کا حکم تھا کہ انہیں ہر قیمت پر واپس لایا جائے۔ جانے اس کی کیا وجہ تھی! اس نے گھوڑے کو تیز بھگانے کیلئے زور سے سانٹا مارا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ وہ ایک گاڑی بان پر چلا رہا تھا۔ راستہ بناؤ! راستہ بناؤ!

ارام کے ساتھی کیلئے اپنے سردار کے ساتھ چلنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ بھلا ہمارا آقا ان غیر ملکیوں سے چاہتا کیا ہے؟ پہلے تو اس نے ان کے ساتھ بڑا شاہانہ سلوک کیا اور پھر صرف چند ہی گھنٹوں کے بعد اس نے ہمیں ان کا پیچھا کرنے کیلئے بھیج دیا گویا وہ ہمارے دشمن ہوں۔

ارام نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا فرعون کے دست راست کے فیصلوں پر سوال کرنے والے تم کون ہوتے ہو؟

اگرچہ اس نے یہ سوال اپنے ساتھی سے کیا تھا لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بھی تو اپنے آقا کے احکامات سے پریشان تھا۔ آخر اس نے یہ حکم کیوں دیا کہ ان عبرانیوں کے اناج کے بوروں میں غلے کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ڈال دو؟ قافلہ اب انہیں دور سے دکھائی دینے لگا تھا۔

شمعون ابھی یہوداہ کا مذاق اڑا رہا تھا، سنو بھائی! اگر تم گستاخی کر رہے ہو تو میں حاکم مصر کو بتا دیتا ہوں۔ وہ تمہیں سیدھا کر دے گا۔ پھر جیل میں تم اپنی گستاخی پر غور و خوض کرنا۔ اس پر سب ہنس پڑے۔



اناج کو ٹٹولتا تو راہ گیر لمبی گردنیں کر کر کے جھانکنے کی کوشش کرنے لگے۔ اس نے سب سے بڑے بھائی کے بورے سے شروع کیا اور اس طرح تلاشی لیتے لیتے آخر پر سب سے چھوٹے بھائی بنیمین کا بورا کھولا۔ دس بوروں سے تو چاندی کا پیالہ نہ نکلا۔ اب تو ہر طرف سے غصیلی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ واہ! واہ بے چاروں پر بلا وجہ ہی الزام لگایا جا رہا تھا۔

لیکن ارام نے تلاشی جاری رکھی۔ جب یہوداہ ایک بار پھر ارام کو اپنے دیانت دار ہونے کا یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا تو عین اسی وقت اس نے بنیمین کے بورے سے پیالہ نکال لیا۔ ہر طرف گہری خاموشی چھا گئی۔ سب کو ایک دھچکا سا لگا۔ ارام نے پیالہ اوپر اٹھا کر سب کو دکھاتے ہوئے سختی سے کہا اچھا تو پھر یہ کیا ہے دیانت دارو؟ اف میرے خدایا! یہ سب کچھ تم حاکم سے جا کر کہنا۔

بنیمین کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اسی عالم میں وہ کبھی ایک بھائی کا منہ دیکھتا کبھی دوسرے کا۔ سب کے سب شدید صدمے کا شکار تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اسے تسلی نہ دے سکا۔ ہر ایک کے چہرے سے دہشت ٹپک رہی تھی۔ تاہم اسے ایک بات کا یقین تھا۔ وہ یہ کہ اس کے بھائی اسے اس کے حال پر نہیں چھوڑیں گے۔ سب نے صدمے سے نڈھال ہو کر اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اب بنیمین نے جان لیا کہ وہ یہاں مصر میں واقعی ایک گھٹیا ماحول میں آ پھنسے ہیں۔ آخر یہ سب ان کے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟ تماشائی ان پر حقارت آمیز آوازے کس رہے تھے، چور! نکمے عبرانی! غیر ملکی بھکاری! انہیں جیل میں ڈال دو۔ بھائیوں کے چہرے شرمندگی سے لٹک رہے تھے۔

یہوداہ نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا، جلدی کرو گدھوں پر سامان لادلو، ہم سب واپس جائیں گے۔

حضرت یوسف اور آسناتھ نے انہیں احاطے میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ انتہائی

شکست خوردہ دکھائی دے رہے تھے۔لیکن آسناتھ نے بڑے مسرور لہجے میں سرگوشی کی،انہوں نے بنیمین کو اکیلا نہیں چھوڑا۔

بھائی حضرت یوسف سے ملنے کیلئے گرتے پڑتے چلے آ رہے تھے۔ارام چاندی کا پیالہ اٹھائے ان کے آگے آگے تھا۔

انتہائی خاموشی سے وہ سب اپنے بھائی کے سامنے جھک گئے۔آسناتھ حیرت سے اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھی کہ یہ شخص عاجزی سے جھکے ہوئے ان سروں پر کس طرح اتنے سخت الفاظ سے گرج سکتا ہے۔

تم نے یہ کیا کیا ہے؟ کیا تم جانتے نہیں تھے کہ مجھ جیسا با اختیار شخص تمہیں آسانی سے ڈھونڈ نکالے گا؟

پھر یہوداہ اٹھا اور حضرت یوسف کے قدموں پر گر پڑا۔وہ جانتا تھا کہ اب وہ حاکم مصر کے رحم وکرم پر ہی ہیں۔اس لئے وہ گڑگڑا کر کہنے لگا،میرے آقا! ہم آپ کے سامنے کس طرح صفائی پیش کر سکتے ہیں؟ ہم کیسے خود کو بے گناہ ثابت کر سکتے ہیں؟ خدا نے ہمارا گناہ ظاہر کر دیا ہے۔اب صرف وہی نہیں جس کے بورے میں سے پیالہ برآمد ہوا ہے بلکہ ہم سب آپ کے غلام ہیں۔

حضرت یوسف کرخت آواز میں بولے،نہیں،ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔صرف وہی شخص جس کے پاس سے پیالہ نکلا ہے میرا غلام بن کر رہے گا۔باقی تم سب اپنے باپ کے پاس جاسکتے ہو۔

یہوداہ میں بھائی کی محبت نے جرأت پیدا کر دی تھی۔وہ جھٹ بول اٹھا میرے آقا! بخدا مجھے کھل کر بات کرنے دیجئے،ناراض نہ ہوں آپ میرے لئے بادشاہ ہی کی مانند ہیں۔

اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر حضرت یوسف کی طرف آگے بڑھا دیئے۔

حاکم اعلیٰ نے اپنا سر اس طرح جھکایا جیسے وہ اس کی ہر بات غور سے سن رہا ہو۔

دراصل اس نے یہ انداز اپنے جذبات کو چھپانے کے لئے اختیار کیا تھا۔ اس میں اب زیادہ دیر تک یہوداہ کی یہ حالت دیکھنے کی سکت نہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈے چلے آرہے تھے۔ پھر ہونٹ پھڑ پھڑانے لگے انہوں نے فوراً اپنا ایک ہاتھ منہ پر رکھ لیا۔ صرف ان کی آہنی قوت ارادی ہی لمحہ بہ لمحہ ان کے چھلکتے آنسوؤں کو بہنے سے روکے ہوئے تھی۔

یہوداہ کا نپتی ہوئی آواز اب حضرت یوسف کو بالکل قریب سے سنائی دے رہی تھی۔ عالی جاہ! آپ نے ہم سے پوچھا تھا کہ ہمارا باپ یا کوئی اور بھائی ہے یا نہیں۔ ہم نے آپ کو سچ سچ جواب دیا تھا کہ ہمارا ایک بوڑھا باپ ہے اور سب سے چھوٹا بھائی بھی ہے جو خدا نے ہمارے باپ کو بڑھاپے میں عطا کیا تھا۔ اس لڑکے کا بھائی مر چکا ہے۔ چنانچہ یہ اپنی ماں کی اولاد میں سے واحد ہے جو تا حال زندہ ہے۔ بابا اس سے والہانہ محبت کرتے ہیں۔

اب یہوداہ سے رہا نہ گیا اور وہ زارو قطار روتے ہوئے کہنے لگا، میرے آقا، آپ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ اپنے چھوٹے بھائی کو یہاں لے کر آئیں تاکہ آپ اسے دیکھ لیں۔ اور ہم نے جواب دیا تھا کہ اگر اسے لے آئے تو یہ ہمارے باپ کی برداشت سے باہر ہوگا۔ پھر آپ نے کہا تھا کہ جب تک تمہارا چھوٹا بھائی نہیں آئے گا۔ تم میرے حضور حاضر نہیں ہو سکتے۔

اتنا کہہ کر اس کے سینے سے ایک دردناک کراہ نکلی۔ جب ہم واپس اپنے باپ کے پاس پہنچے تو آپ نے جو کچھ کہا تھا انہیں بتا دیا۔ ظاہر ہے باپ کا بھی اصرار تھا کہ ہمیں ہر حال میں اناج خریدنے کیلئے مصر جانا چاہیے۔ ہمیں انہیں اس بات پر قائل کرنے میں بہت دن لگ گئے کہ ہماری واپسی کی صرف ایک ہی صورت ہے، اور وہ یہ کہ ہمارا چھوٹا بھائی ہمارے ساتھ چلے۔

یہوداہ کا سانس پھولا ہوا تھا اور اس میں ہمت نہیں تھی کہ اپنے باپ کا جواب

حضرت یوسف کو بتائے۔ اس نے کن آنکھیوں سے دیکھا کہ حاکم کا سر پہلے سے بھی زیادہ جھک گیا ہے۔ لہذا ہانپتے ہوئے اس نے بیان جاری رکھا۔ عالی جاہ! ہمارے بابا نے معلوم ہے کیا جواب دیا؟ وہ کہنے لگے تم جانتے ہو کہ میری بیوی راخل سے صرف دو بیٹے پیدا ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک تو ایک تو مجھے پہلے ہی چھوڑ کر جا چکا ہے۔ اسے جنگل درندوں نے پھاڑ کھایا ہے۔ اگر تم بنیمین کو بھی میرے پاس سے لے گئے اور خدانخواستہ اسے بھی کچھ ہو گیا تو میں صدمے سے چل بسوں گا۔

شدید گرمی کی وجہ سے کمرے میں انتہائی گھٹن ہو رہی تھی۔ ہر طرف موت کی سی خاموشی طاری تھی۔ یہوداہ کی باتوں کا حاکم مصر کیلئے ترجمہ کرتے وقت خود ترجمان کا دل بھی بھر آیا تھا۔ تاہم صاحب خانہ کی آنکھیں حسب معمول زمین میں گڑی تھیں۔ بھنویں تنی ہوئی تھیں، جیسے وہ ہمہ تن گوش ہو۔

یہوداہ نے اپنی فریاد جاری رکھی۔ میرے آقا! اگر میں اس لڑکے کے بغیر اپنے باپ کے پاس لوٹ کر گیا تو انہیں جوں ہی پتہ چلے گا کہ بنیمین ہمارے ساتھ نہیں ہے وہ دم چھوڑ جائیں گے۔ ان کی جان تو بنیمین میں ہی اٹکی ہے۔ اور ایک بات یہ بھی ہے کہ میں اس کے بدلے میں اپنی زندگی کی ضمانت دے کر آیا ہوں۔

یہوداہ نے خود کو حضرت یوسف کے آگے منہ کے بل گرا دیا اور ان کے پاؤں چھوتے ہوئے گڑگڑایا۔ میرے آقا! میرے اس بھائی کی جگہ مجھے اپنا غلام بنا کر رکھ لیجئے۔ خدا کے واسطے اسے بھائیوں کے ساتھ واپس جانے دیجئے۔ باپ کی یہ بدحالی مجھ سے دیکھی نہیں جائے گی۔

یہوداہ حضرت یوسف کے سامنے جھکا ہوا پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ ہچکیوں کے باعث اس کا پورا وجود ہل رہا تھا۔

اب فیصلہ حاکم مصر کے ہاتھ میں تھا۔ سب نگاہیں حضرت یوسف پر گڑی تھیں۔ ترجمان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ حاکم وقت کا چہرہ ان کے ہاتھوں میں

چھپا تھا۔ ان کی آنگلیوں میں سے آنسو ٹپک ٹپک کر زمین پر گر رہے تھے۔ ان کے درد سے پھٹے ہوئے سینے میں سے ایک زخمی کی سی کراہ نکلی۔ یہوداہ کے الفاظ ان کی روح میں اتر گئے تھے۔ وہ بنیمین کی آزادی کیلئے اپنی جان کی قیمت ادا کرنے کے لئے گڑ گڑا رہا تھا۔ خدا کی تعریف ہو! ان کے تمام بھائیوں کی زندگی بدل چکی تھی۔

حضرت یوسف اپنی جگہ سے اچھلے اور ایک بار پھر اپنے دل کو سخت کرتے ہوئے اپنے ملازموں پر برس پڑے، سب باہر چلے جاؤ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ تنہائی چاہتا ہوں

نوکر چاکر سب اس حال میں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ چونکہ حضرت یوسف مصری زبان میں بات کر رہے تھے اس لئے ان کے بھائیوں کو ان کی بات کی سمجھ نہ آئی۔ لیکن ایک بات واضح تھی کہ نوکروں کے یوں بھاگنے اور حاکم مصر کے رونے نے انہیں انتہائی خوفزدہ کر دیا تھا کہ اب کیا ہوگا۔

حضرت یوسف کی زوردار ہچکیوں نے فضا کے سکوت کو توڑ دیا۔ وہ اب ان کے درمیان کھڑے تھے۔ آنکھوں سے زاروقطار آنسو بہہ رہے تھے۔ انہوں نے باری باری ایک ایک بھائی کو دیکھتے ہوئے عبرانی زبان میں کہا میں یوسف ہوں۔

وہ بھائی یک لخت یوں پیچھے ہٹے جیسے انہوں نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔ کچھ کانپ رہے تھے۔ بعض کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ ان کی بھنوؤں سے شرمندگی کے پسینے کے قطرے ٹپاٹپ ٹپک رہے تھے۔ صرف بنیمین کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ وہ اپنے بھائیوں کی پریشانی پر حیران تھا۔ آخر یہ یوسف بھائی سے اتنا ڈر کیوں رہے ہیں؟

انہیں پرسکون کرنے کیلئے حضرت یوسف نے نرمی سے پوچھا، کیا بابا ابھی تک زندہ ہیں؟

لیکن بھائی اس قدر سہمے ہوئے تھے کہ ان کے منہ سے بات تک نہیں نکل رہی

تھی۔اب ان پر کیا بیتے گی؟

تاہم ان کے بچھڑے بھائی نے بڑی محبت سے انہیں قریب آنے کو کہا۔جب وہ جھجکتے جھجکتے ان کی طرف بڑھے تو انہوں نے ایک بار پھر بھائیوں کو یقین دلایا، دیکھو! میں تمہارا وہی بھائی یوسف ہوں جسے تم نے مدیانیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔ اب تم پریشان نہ ہونا۔خدا نے تمہارے برے فعل کو اپنے فضل سے ہمارے گھرانے کو بچانے کیلئے استعمال کیا ہے۔یہ تو قحط کا صرف دوسرا سال ہے۔ابھی پورے پانچ سال پڑے ہیں جن میں نہ کاشت ہوگی نہ کٹائی۔خدا نے بڑے حیرت انگیز طریقے سے تم لوگوں سے پہلے مجھے یہاں بھیجا ہے تاکہ تم اور تمہاری اولاد یقینی طور پر بچ جائے۔خدا ہی نے مجھے بادشاہ کا اعلیٰ ترین منصب دار بنایا ہے۔سارے ملک کا اختیار میرے ہاتھ میں ہے۔

آسناتھ کو وہ لمحہ کبھی نہیں بھول سکتا تھا جب حضرت یوسف نے بے اختیار ہو کر بنیمین کو گلے سے لگایا۔دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کو پوری طرح سے جکڑ رکھا تھا۔وہ کافی دیر تک روتے رہے۔پھر حضرت یوسف نے باری باری ایک ایک بھائی کو گلے لگایا۔ان کو بھی جنہوں نے انہیں رسیوں سے جکڑا تھا، ان کی فریاد کا مذاق اڑایا تھا اور انہیں تاریک گڑھے میں پھینک دیا تھا۔

آخر میں حضرت یوسف نے آسناتھ اور اپنے بیٹوں کو اپنے بھائیوں سے ملوایا۔ جب منسی اور افرائیم باری باری اپنے چچا تایوں سے ملے تو گویا ان مردوں کے دکھ کا علاج ہو گیا۔

فرعون اور اس کے افسران کو یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ وزیر اعظم کے بھائی شہر میں آئے ہیں۔انہوں نے ان کو اپنے بیوی بچوں سمیت مصر میں آ کر رہنے کا سرکاری دعوت نامہ بھیجا۔اب انہیں اپنا اثاثہ پیچھے چھوڑنے کی زیادہ فکر نہ تھی کیونکہ وہ بادشاہ کی دعوت پر مصر آ رہے تھے۔



گیارہواں باب

بچھڑے ملتے ہیں

حضرت یعقوب اب بہت ضعیف ہو چکے تھے۔ وہ بڑی بے چینی سے اپنے بیٹوں کی راہ دیکھ رہے تھے۔ گرم صحرائی ہواسے ان کے سفید بال اڑ کر ان کے چہرے پر گر رہے تھے۔ انہوں نے دعا کے لئے بڑے ملتجی انداز میں اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائی دیئے اور کانپتی آواز میں بولے اے قادر مطلق خدا! تو جو میرے باپ دادا کا خدا ہے، میں اپنے بیٹوں کو تیری محافظت میں دیتا ہوں، خاص کر بنیمین کو۔ میں نے تجھ سے کچھ بھی باز نہ رکھا۔ اے پیارے خداوند، میں اپنے بچوں کے لئے تڑپ رہا ہوں۔ اپنی محبت کے طفیل میرے بیٹے مجھے واپس کر دے۔ پھر انہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا آج کل تو سب کچھ میرے خلاف جا رہا ہے۔ اسی وقت بادلوں کے پیچھے سے سورج جھانکنے لگا جیسے آسمان خدا کے محبوب پر مسکرا رہا ہو جو اس سے بالکل بے خبر تھا کہ اس کے خالق نے اس کیلئے کیا کیا عجیب منصوبے بنا رکھے ہیں۔

کتوں کے بھونکنے کی خوفناک آواز ان کی دعا میں مخل ہوئی۔ دور سے اٹھتے ہوئے گرد کے بادل میں وہ گدھوں اور آدمیوں کے قافلوں کو دیکھ سکتے تھے۔ انہوں نے اپنی لاغر انگلی سے جلدی جلدی آدمیوں کو گننا شروع کیا۔ کیا بنیمین ان کے ساتھ ہے یا نہیں؟ ان کا دل کتنا ہلکا ہو گیا جب انہیں یقین ہو گیا کہ ہاں! ہاں بنیمین بھی ساتھ ہی ہے۔ لیکن اگلے ہی لمحے وہ چونک گئے میرے بیٹوں کے پیچھے پیچھے گاڑیاں کیسی چلی آ رہی ہیں؟ اف یہ کتے! حضرت یعقوب ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ چپ کرو، بند کرو یہ شور۔ لیکن کتوں نے ان کی ایک نہ سنی۔ انجام کار اس غل غپاڑے میں حضرت یعقوب کا پورا گھرانا ان کے پاس جمع ہوا۔ بچے قافلے کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ سب کے چہروں پر مسکراہٹیں ناچ رہی تھیں۔ بچوں کی ملی جلی آوازیں

سنائی دے رہی تھیں، ابا جی ابا آگئے! ڈھیر سارا اناج آ گیا!

حضرت یعقوب نے سکھ کا سانس لیا۔ خداوند کی تعریف ہو جس نے ان کا سفر مبارک کیا ہے۔

بنیمین نے دور سے ہی ہاتھ ہلاتے ہوئے پکارا، بابا! ہم آپ کے لئے ایک بڑی خوشخبری لائے ہیں۔

اس کے بھائیوں کی پوری کوشش تھی کہ وہ خاموش رہے۔ وہ دعائیں مانگ رہے تھے کہ خدا کرے انہیں اپنا قصور سارے قبیلے کے سامنے نہ ماننا پڑ جائے۔ جونہی وہ گھر پہنچے سارا خاندان ان کے استقبال کے لئے امڈ چلا آ رہا تھا۔

حضرت یعقوب نے بنیمین کو سینے سے لگا لیا۔ ابھی وہ شکر گزاری کی دعا کرنے ہی والے تھے کہ انہیں یہ خبر سنائی گئی، یوسف زندہ ہے۔ سچ مچ زندہ ہے۔ وہ حاکم مصر ہے۔

حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں پر حقارت آمیز نظر ڈالتے ہوئے کہا، شرم کرو اپنے باپ سے مذاق کرتے ہو!

بنیمین نے اپنے بازو بوڑھے باپ کے گرد حمائل کرتے ہوئے کہا، بابا! یہ سچ ہے دیکھو یہ جو گاڑیاں ہیں نا یہ خاص طور پر بھائی یوسف نے آپ کو اور سارے گھرانے کو مصر لانے کیلئے بھیجی ہیں۔ اور ان پر لدے ہوئے اناج کو تو دیکھو۔ کیا اب بھی آپ کو یقین نہیں آیا؟ یوسف بھائی آپ سے ملنے کے لئے تڑپ رہا ہے۔ اس نے ہمیں کہا کہ جلدی سے جا کر آپ کو اس کے پاس لے آئیں۔

حضرت یعقوب ان گاڑیوں، گاڑی بانوں اور محافظوں کو یوں تکنے لگے گویا خواب دیکھ رہے ہوں۔ اور پھر جیسے وہ ایک جھٹکے سے بیدار ہو گئے۔ زندگی کی ایک لہر ان کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ انہوں نے پلٹ کر اپنے بیٹوں کی طرف دیکھا جن میں باپ سے آنکھیں ملانے کی جرأت نہ تھی۔ حضرت یعقوب کی تیز آواز کی

کاٹ ناقابل برداشت تھی۔ انہوں نے مطالبہ کیا، میرا یوسف مصر میں کیسے پہنچا؟

بھائیوں کے لئے اس سوال کے جواب سے فرار ناممکن تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ سارا قبیلہ ان کے گرد اکٹھا ہو گیا ہے تو ان کی بے چینی اور بڑھ گئی۔ جب انہوں نے مجبوراً وہ دردناک کہانی سنائی تو کسی کو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ بھائی حسد میں اندھے ہو کر اتنا ظلم بھی کر سکتے ہیں۔ کچھ لوگ تو اس سانحے کے تصور ہی سے کانپ اٹھے۔

حضرت یعقوب غصے میں بھڑک اٹھے۔ تو تم لوگوں نے اتنے سالوں سے مجھے دھوکے میں رکھا ہوا تھا؟ اور تم میں اتنی ہمت کہاں سے آئی کہ یوسف کے ماتم کے وقت تم مجھے تسلی دیتے رہے اور مصر سے واپسی پر خود کو ایماندار کہتے رہے؟

اگر ایسے میں بنیمین ان کی سفارش نہ کرتا تو نہ جانے حضرت یعقوب کب تک یوں ہی گرجتے رہتے۔ بابا، یوسف بھائی نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا ہے۔ آپ کے بیٹوں کو معاف کر دیا ہے۔ اس لئے آپ بھی انہیں معاف کر دیں۔ خدا ہمارے گھرانے کے زخم ضرور بھر دے گا۔ اب تو سب کچھ ظاہر ہو گیا ہے۔

اب حضرت یعقوب کے آنسو بہنے لگے، میرے بیٹو! اگر ایسا ہے تو میں بھی تمہیں معاف کرتا ہوں۔ اس ضعیف آدمی نے اپنے بازو خوشی سے پھیلا دیئے اور فرط مسرت سے مغلوب ہو کر پکار اٹھے میرا بیٹا یوسف ابھی تک زندہ ہے۔ مرنے سے پہلے میں ضرور جا کر اسے ملوں گا۔

سارا گھرانا خوشی سے پھولے نہ سماتا تھا۔ سوال جواب ہو رہے تھے، قہقہے بلند ہو رہے تھے، سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔ بچے بے قراری کے عالم میں حالات کی تفصیل جاننے کیلئے بے تاب ہوئے جا رہے تھے۔ آخر کار ان پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ یوسف زندہ ہے اور وہ مصر کا حاکم بن گیا ہے۔ اور یہ بھی کہ جلد ہی خیمے اکھاڑ لئے جائیں گے اور سب یوسف کے پاس چلے جائیں گے جہاں غلے کی کثرت ہے۔

اب کوئی فاقوں نہیں مرے گا۔

خدا خدا کر کے قافلہ مصر کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستہ بھر حضرت یعقوب یہ یاد کر کے کے ٹھنڈی آہیں بھرتے جاتے تھے کہ ان کا سترہ سالہ بیٹا یوسف اسی راستے سے زنجیروں میں جکڑا ایک غلام کی حیثیت سے ٹھوکریں کھاتا گرتا پڑتا گزرا ہوگا۔ پھر انہوں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر کیا کہ اس تمام عرصے میں اس نے یوسف کی زندگی کو اپنے ہاتھ میں رکھا اور ان کیلئے یوں راستہ ہموار کیا۔

یہوداہ حضرت یوسف کو یہ اطلاع دینے کے لئے پہلے جا پہنچا کہ وہ جشن کے مقام پر آ کر اپنے گھرانے سے ملیں۔

حضرت یعقوب کو یہ سفر نہایت سست رفتار معلوم ہو رہا تھا۔ ان کے دل کی دھڑکنیں قافلے کی رفتار سے کہیں زیادہ تیز تھیں۔ وہ اپنے لخت جگر سے ملنے کے لئے بے تاب تھے۔ ان کی نگاہیں راستے پر جمی تھیں اور دل مسرت بھرے نغمے گا رہا تھا۔

یوسف میرے بیٹے، میں آ رہا ہوں۔

آخر کار قافلہ جشن پہنچ گیا۔ اب سب کی آس بندھی تھی کہ کسی بھی لمحے یوسف آئے گا۔ حضرت یعقوب کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ ان کے انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔

پھر انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں۔ سب نے دیکھا کہ دوری مصری افسران بالا اپنے رتھوں میں ان کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ گھڑ سوار محافظ ان کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ حضرت یعقوب گاڑی میں کھڑے ہو گئے۔ ان کی متلاشی نگاہوں نے اپنے بیٹے یوسف کی شاہانہ شخصیت کو پہچان لیا۔ وہ یوسف ہی تھا۔ ان کا اپنا یوسف جوان کی طرف آ رہا تھا۔

بابا!

یوسف!

اور اگلے ہی لمحے دنیا سے بے خبر وہ ایک دوسرے کی باہوں میں لپٹ گئے۔ بچھڑے ہوئے مدتوں بعد آج ملے تھے۔ فضا میں سسکیاں ابھر رہی تھیں۔ عجب جذبات انگیز منظر تھا۔ پچیس برس کا کرب، قلبی اذیت اور تڑپ سب کچھ اسی میں سمو گیا۔ بھیگی آنکھوں سے باقی لوگوں نے بڑی سنجیدگی سے اس منظر کو دیکھا۔ مسرت آفرین آہ و بکا کے منظر کو۔ آخر کار حضرت یعقوب نے یوسف بیٹے کو سامنے کھڑا کر کے اعلان کرتے ہوئے کہا، میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے اب میں سکھ سے مر سکوں گا۔

جب حضرت یوسف سب سے مل چکے تو کہنے لگے اب میں چل کر بادشاہ کو بتاتا ہوں کہ تم سب آ گئے ہو۔ پھر بھائیوں سے مخاطب ہو کر بولے، بھائیو سنو! اگر فرعون تم سے تمہارے پیشے کے متعلق پوچھے تو اسے بتا دینا کہ تم چرواہے ہو۔ جب اسے تمہارے پیشے کا علم ہو جائے گا تو وہ تمہیں جشن میں رہنے کی اجازت دے دے گا۔

اس طرح خود علیحدہ رہنے میں ان کی بھلائی تھی۔ یوں وہ بت پرستوں میں شادیاں رچانے سے محفوظ رہ سکتے تھے۔

جشن میں ٹھکانا کرنے سے پہلے حضرت یوسف بڑے فخر سے اپنے باپ یعقوب کو فرعون سے ملوانے کیلئے لے گئے۔ مصر کے معززین میں ممتاز شخصیت ہونے کے باوجود حضرت یوسف اپنے چرواہے باپ کو فرعون سے برتر سمجھتے تھے۔ جب حضرت یعقوب نے فرعون کو زندہ خدا کے نام میں برکت دی تو دربار میں موجود ہر شخص نے محسوس کیا کہ یہ خدا کا خاص پرستار ہے۔

حضرت یعقوب کا گھرانا چرواہوں کے معمول کے مطابق زندگی گزارنے لگا۔ حضرت یوسف اکثر اپنے بیوی بچوں سمیت انہیں ملنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ منسی اور افرائیم کے لئے تو کھلے میدانوں میں اپنے رشتہ دار بچوں کے ساتھ کھیلنا ایک بہت بڑی تفریح تھی۔

ایک دوپہر کو حضرت یوسف اور حضرت یعقوب دل کھول کر آپس میں باتیں کر

رہے تھے جبکہ آسناتھ عورتوں میں بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ان کے بیٹوں کی پر مسرت آوازیں دور سے سنائی دے رہی تھیں۔حضرت یوسف نے انار کے رس کی ایک چسکی لی اور اپنے باپ پر نظر ڈالی جو چارپائی پر بڑے سکون سے بیٹھے ہوئے تھے۔ بیٹے نے اپنے 130 سالہ بوڑھے باپ کے جھریوں بھرے ہاتھ کو تھپتھپاتے ہوئے کہا، بابا مجھے جس شخص کے بھائی بچھڑ چکے ہوں صرف وہی جانتا ہے کہ انہیں پا کر اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔اور وہ شخص جسے اس کے باپ سے چھین لیا گیا ہو اور وہ دوبارہ مل گئے ہوں اس کی جو دلی کیفیت ہوتی ہے وہی حالات اس وقت میری ہے۔

حضرت یوسف جب مایوسی کے ان ایام کا ذکر کر رہے تھے جو انہوں نے گزارے تھے اور بھائیوں کی وجہ سے جو نفرت ان کے دل میں گھر کر گئی تھی یاد کر رہے تھے تو ان کی آنکھوں میں اداسی کے گہرے سائے چھائے جا رہے تھے۔پھر انہوں نے اپنے سر کو زور سے جھٹکا دیا۔خدا نے سب کچھ مٹا ڈالا۔اس نے مجھے اس نفرت سے نجات دلائی اور اس طرح میں اس کے نام کو جلال دینے کیلئے اس کی خدمت کرنے کے قابل ہوا۔

اور پھر جیسے الفاظ حضرت یوسف کے منہ سے پھوٹ پڑے، بابا! میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے صرف اپنے گھرانے ہی کا خیال نہیں رکھنا بلکہ پورے مصر کی خوارک کی ضرورت ہے۔تاہم مصریوں کی روح کی پیاس بجھانے کیلئے لازم ہے کہ وہ زندہ خدا کو جانیں۔میرا نام اور میرا کام خدا کی گواہی دیتا ہے۔

حضرت یعقوب کی آنکھیں بھیگ گئیں۔وہ دور فاصلے پر کھیلتے بچوں کو دیکھ رہے تھے۔میرے بیٹے! خدا کے لئے تمہاری راہنمائی کرنا آسان تھا۔تم میں فرماں برداری کی روح تھی۔لیکن میں ایسا نہیں تھا۔میں تو بڑا خودسر نوجوان تھا۔میں جو کچھ چاہتا تھا جائز ناجائز طریقے سے حاصل کر لیا کرتا تھا۔باپ نے بڑے دکھ سے سر

ہلایا۔

آخر کار خدا نے میری انا اور میری ران دونوں کو توڑ دیا۔ اب میں اس کے قریب رہ کر اس کی پیروی کرنے کا متمنی ہوں۔ حضرت یعقوب نے اپنی دبلی پتلی انگلی اٹھا کر بات جاری رکھی۔ اس لئے میں اس کی تسلی کر لینا چاہتا تھا کہ ہمارا مصر کا سفر خداوند کی مرضی کے مطابق ہے یا نہیں۔ چنانچہ میں یہاں آتے وقت بیر سبع کے مقام پر رکا تھا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ایک دفعہ خدا میرے باپ حضرت اضحاق پر ظاہر ہوا تھا۔ وہاں میں نے قربانی گزرانی اور خدا کی پرستش کی۔ رات کو خدا مجھے رویا مین دکھائی دیا اور پکار کر کہا یعقوب! یعقوب

میں نے جواب دیا، میں حاضر ہوں

پھر خداوند نے کہا، میں خدا ہوں، تیرے باپ اضحاق کا خدا تو مصر جانے سے نہ ڈر۔ میں وہاں تیری اولاد کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ میں تیرے ساتھ ہی مصر جاؤں گا اور پھر تیری اولاد کو واپس اسی سر زمین میں لے آؤں گا۔ اور انتقال کے وقت یوسف تیرے پاس ہوگا۔

حضرت یوسف مسکرا دیئے بابا! میں نے کبھی رویا نہیں دیکھی اور نہ خدا کبھی مجھ سے بلند اور واضح آواز میں مخاطب ہی ہوا ہے۔ پھر بھی اس کا روح مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے اور خدا کی مرضی مجھ پر آزکار کر دیتا ہے۔ خدا میرے لئے ایک ٹھوس حقیقت ہے۔

اگر چہ حضرت یعقوب بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ بلکہ کمزوری کے باعث قریب الموت تھے لیکن یوسف کی موجودگی نے گویا ان کے مردہ جسم میں از سر نو زندگی کی روح پھونک دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مصر میں سترہ برس اور زندہ رہے۔ قحط کے اس سنگین دور میں بھی حضرت یعقوب اپنے قبیلے کو بڑھتا اور پھلتا پھولتا دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ خدا انہیں ہر چیز کثرت سے فراہم کر رہا تھا۔

وقت گزرتا گیا اور حضرت یعقوب کا جسم ڈھلتا چلا گیا۔ وہ بار بار بیمار پڑ جاتے تھے۔ ہر بار حضرت یوسف فوراً آ کر بڑے فکر سے ان کی چارپائی کے پاس بیٹھے رہتے تھے۔ ایک دفعہ یونہی علالت کے دوران میں حضرت یعقوب نے اپنے بیٹے یوسف کے دونوں بیٹوں کو برکت دی اور انہیں اپنے بیٹے بنا لیا۔ اس طرح حضرت یوسف ملک موعود میں دوہرے حصے کے وارث قرار پائے۔ یوں وہ پہلوٹھا ہونے کا دوگنا حصہ لینے کے حقدار ٹھہرے۔

اور پھر وہ کرب ناک گھڑی بھی آ پہنچی جس کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ حضرت یعقوب بستر مرگ پر لیٹے آخری سانس لے رہے تھے۔ جسم بے جان ہوتا جا رہا تھا۔ ان کی روح کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔ وہ اپنے بچوں کو آنے والے زمانے سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ہر ایک بیٹے کو نام بنام پکار کر اس کے مستقبل سے اسے آگاہ کیا۔ وہ گھڑی کتنی مقدس تھی! جب یہوداہ کا نام پکارا گیا تو ہر شخص کے کان اس راز کو سننے پر لگے تھے جو حضرت یعقوب آفشا کرنے کو تھے۔ انہوں نے اپنی واضح آواز میں کہا کہ شیلوہ یعنی بنی نوع انسان کے نجات دہندہ المسیح کے آنے تک یہوداہ سے عصا نہیں لیا جائے گا۔ حضرت یعقوب نے یوسف کو بھی اپنی خاص محبت کے حوالے سے یاد کیا۔

جب بزرگ یعقوب یہ تمام باتیں کر چکے تو ان کی روح پرواز کر گئی۔ ان کی وفات سے پورے خاندان کو محسوس ہوا جیسے ان کے گھرانے کا مرکزی ستون گر پڑا ہو۔ ان ہی نے سب کو متحد کر رکھا تھا۔

حضرت یوسف کے لئے تو باپ کی جدائی نا قابل برداشت تھی۔ یہ جدائی جو پہلے عارضی تھی اب دائمی ہو گئی تھی۔ وہ باپ کے مردہ جسم سے لپٹ گئے اور دیوانہ وار ان کا منہ چومنے لگے۔

حضرت یعقوب نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹے یوسف سے عہد لیا تھا کہ انہیں



لہٰذا مصر میں آباد ہو جانے کے بعد انہوں نے حضرت یوسف کو کہلا بھیجا کہ مرنے سے پہلے ہمارے باپ نے ہمیں کہا تھا کہ ہم آپ سے معافی مانگیں۔مہربانی سے اپنے بھائیوں کا جرم معاف کر دیں جنہوں نے آپ کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا تھا۔

جب حضرت یوسف نے یہ پیغام پڑھا تو وہ رونے لگے۔شکستہ خاطر ہو کر وہ چلا اٹھے ،وہ ابھی تک یہی سوچ رہے ہیں کہ میں نے محبت کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔اف خدایا وہ کب میری محبت کو پہچانیں گے؟

آسناتھ نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو وہ چلمچی میں پانی اور تولیہ لے آئی تا کہ وہ منہ دھو کر تازہ دم ہو جائیں۔اس نے شوہر کو پیار سے گلے لگایا اور بولی ،وہ اپنے بھائی کے پیار بھرے دل کو بالکل نہیں جانتے۔بہتر یہی ہو گا کہ ہم ان کو دعوت دیں۔اس طرح وہ آپ کے ساتھ کھل کر بات کر لیں گے۔

حضرت یوسف کو آسناتھ کا مشورہ اچھا لگا پس ایک پر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔کھانا بڑے اچھے طریقے سے تیار کیا گیا۔پھولوں کی خوشبو اور موسیقی کی مدھر تانیں فضا میں سحر گھول رہی تھیں۔جب ایسے میں حضرت یوسف کے بھائی ان کے گھر پہنچے تو سب کے سب بری طرح سہمے ہوئے تھے۔پریشانی میں وہ پھر اپنے بھائی کے قدموں پر گر گئے۔شمعون نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا، ہم آپ کے غلاموں کی حیثیت سے آپ کے سامنے حاضر ہیں۔

آسناتھ فوراً ستون کے پیچھے چھپ گئی۔یہ منظر اس کے لئے نا قابل برداشت تھا۔وہ انہیں اس طرح اس بھائی کے سامنے گڑ گڑاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی جو ان کو دل و جان سے چاہتا تھا۔اس نے حضرت یوسف کو انہیں بڑی گرم جوشی سے یقین دلاتے ہوئے سنا۔پیارے بھائیو! مجھ سے مت ڈرو۔کیا میں خدا کی جگہ پر ہوں؟تم نے میرے ساتھ برائی کرنا چاہی لیکن خدا نے اسے بھلائی میں بدل دیا۔

اس طرح بہت سے لوگوں کی جان بچنے کا سامان پیدا ہو گیا۔لہذا ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔میں تمہارا اور تمہارے بچوں کا خیال رکھوں گا۔

آمین آسناتھ نے دھیرے سے کہا۔سب نے مل کر کھانا کھایا۔دعوت بڑی کامیاب رہی۔یوں لگتا تھا کہ آج مدت بعد بھائیوں کو اپنا بھائی یوسف ملا ہے۔

چاہنے والا بے لوث بھائی یوسف۔۔۔۔۔۔۔

بارھواں باب

وعدے جو وفا ہوئے

مصر کی شدید گرمی میں جشن سلگ رہا تھا۔حضرت یوسف اپنے چھوٹے بیٹے افرائیم کے ساتھ رہتے تھے۔اب تو افرائیم بھی دادا بن چکا تھا۔اس نے گھر کا سارا انتظام اپنے بیٹے کو سونپ رکھا تھا۔اب وہ آرام کرتا تھا۔اور اپنے پوتے پوتیوں کے ساتھ مل کر لطف اندوز ہوتا تھا۔خوب مزے میں زندگی بسر ہو رہی تھی۔حضرت یوسف اتنے ضعیف ہونے کے باوجود اب بھی صبح جلدی اٹھتے تھے۔آج بھی وہ طلوع ہوتے ہوئے سورج کو دیکھ رہے تھے۔ان کی عمر 110 برس تھی اور ان کے خیالوں میں ہر وقت آسانی گھر کا خیال سمایا رہتا تھا۔خدا نے ان کے ساتھ ہمیشہ بھلائی کی تھی۔انہوں نے اپنے پوتے پڑپوتے بھی دیکھ لئے تھے۔اور ان کو یوں بڑھتے، ہنستے، کھیلتے، لڑتے جھگڑتے اور پیار جتاتے دیکھنا خدا کی طرف سے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔منسی اور افرائیم کے گھرانے کے لوگ ہر وقت انہیں محبت سے گھیرے رہتے تھے۔اس خیال سے ہی بوڑھے یوسف کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی تھی۔حسب معمول وہ صبح کے وقت دعا میں جھک گئے۔اب بھی ابدی جہان کے خیال سے ان کا دل اطمینان سے معمور تھا۔انہوں نے سوچا کہ جلد ہی میں بھی ابدی جہان میں آسنا تھ اور اپنے والدین سے جا ملوں گا۔وہ اس دنیا سے جانے کے لئے بالکل تیار تھے۔

گھر میں زندگی اپنی پوری گہما گہمی کے ساتھ رواں دواں تھی۔عالی شان عمارت میں غلاموں کے آتے جاتے قدموں کی تیز تیز آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ناشتہ تیار ہو رہا تھا۔جس کی خوشبو سے ساری فضا مہکی ہوئی تھی۔اس کے ساتھ ہی برتنوں کے ٹھنٹھنانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔مالی باغ میں پانی دے رہے تھے۔حضرت یوسف نے بڑے فخر سے مالی کو دیکھا جو باورچی خانے میں تازہ سبزیاں

لے کر جا رہا تھا۔ عرصے سے لوگ قحط کے طویل سالوں کو بھول چکے تھے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت یوسف کے عظیم کارنامے کو بھی بھلا دیا گیا تھا۔ جنہوں نے کتنی ہی زندگیوں کو بچایا تھا۔ اب جبکہ وہ چھڑی پر جھکے ہوئے آہستہ آہستہ اسے ٹیکتے ہوئے باغ کی بھیگی گھاس پر سے گزر رہے تھے سب کچھ یاد کر کے انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ لوگ سب کچھ بھلا دیتے ہیں۔ انسان خواہ کتنی بھی شہرت کیوں نہ حاصل کر لے بہت جلد گم نام ہو جاتا ہے۔ جو لوگ کسی کے سامنے کچھ دیر سر جھکائے رہتے ہیں وقت گزرنے کے ساتھ ان کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ لیکن واہ! خدا اپنے لوگوں کو کبھی نہیں بھولتا۔ یہی سب سے بڑی بات ہے۔

حضرت یوسف کے چہرے پر دکھ کے سائے لہرانے لگے۔ اب ان پر برا وقت آنے والا تھا۔ نیا فرعون بنی اسرائیل کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ یہ غیر ملکی مصر کے اچھے حصے پر قابض تھے۔ یہ سوچتے سوچتے حضرت یوسف کھجور کے ایک درخت کے نیچے رک گئے۔ انہیں حد نگاہ تک اپنے لوگ انتہائی خوش حال معلوم ہو رہے تھے۔ جہاں بنی اسرائیل کی تعداد میں بے شمار اضافہ ہوا تھا وہاں حضرت یوسف کی محافظت میں انہوں نے بے پناہ ترقی بھی کی تھی۔ اس کے علاوہ اب مصر کی سرزمین میں ان کی جڑیں بہت گہری ہو چکی تھیں۔ اکثر لوگ خدا کی موعودہ سرزمین کنعان کو بھلا چکے تھے۔ اچانک حضرت یوسف کو خیال آیا کہ ہوسکتا ہے خدا لوگوں کے اس پرسکون گھروندے کو توڑنے کیلئے ایذا رسانی کا حربہ استعمال کرے۔

اسی لمحے ان کے دو پوتے اچھلتے کودتے اس طرف آ نکلے۔ بڑا بچہ روتے ہوئے ان سے کہنے لگا، دادا ابا اسے کہیں نا کہ میری چھڑی مجھے واپس دے دے۔

لیکن چھوٹا بڑا شریر تھا۔ اس نے جھٹ سے حضرت یوسف کے ضعیف بدن کے پیچھے پناہ لے لی اور چمکتی ہوئی شرارت بھری آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولا مجھے کچھ مصری حروف تہجی لکھنے آتے ہیں۔ دیکھو میں لکھتا ہوں۔ اس نے جلدی سے جھک کر

کیچڑ بھری زمین پر لکھنا شروع کیا۔ ایسے میں اس کی لال بوٹی زبان اس کے ہونٹوں سے باہر لٹک رہی تھی۔

اس کے بڑے بھائی نے بڑے طنز سے کہا، ان کیڑوں مکوڑوں کو تم لکھائی کہتے ہو؟ ہا! ہا! ہا! اور اس پر تم حاکم مصر بننے چلے ہو جیسے کبھی ہمارے بڑے دادا ابو تھے کیا؟

حضرت یوسف نے اس شیطان کو خاموش کروا دیا اور اس کے جھکے ہوئے ننھے سر کو تھپتھپاتے ہوئے کہنے لگے، بڑا نام اور بڑا عہدہ حاصل کرنا اتنا ضروری نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم وہ کام کریں جو خدا نے ہمیں کرنے کو دیا ہے اور پھر اس کام کو اپنی پوری طاقت سے کریں۔

پھر وہ چھوٹے لڑکے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولے، بچو یہ بات کبھی نہ بھولنا کہ مصر ہمارا وطن نہیں ہے۔ ایک دن ہم ضرور کنعان واپس جائیں گے۔ اس ملک میں جسے خدا نے حضرت ابراہیم، حضرت اضحاق اور حضرت یعقوب کو دینے کا وعدہ کیا ہے۔ پھر انہوں نے بڑے حوصلہ افزا انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا، اس دن کے لئے تیار رہو اگر تم مصر میں رہ گئے تو خدا کے لوگوں میں شمار نہیں کیے جاؤ گے۔ خدا تم سے محبت کرتا ہے۔ تمہیں بھی اس سے پیار کرنا چاہیے۔

اس کے بعد جب حضرت یوسف افرائیم کے گھر والوں کے ساتھ بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے تو ان کی تشکر آمیز نگاہیں اپنے بیٹے کے چہرے پر ٹھہر گئیں خدا نے ان پر اور آسناتھ پر بڑا فضل کیا تھا۔ کہ وہ اپنے بیٹوں کو بنی اسرائیل میں شامل کرنے کے قابل ہو سکے۔ حضرت یوسف کی ان کے لئے یہی سب سے بڑی تمنا تھی۔ آسناتھ نے بچوں کو اپنے باپ کے گھرانے کے فرد بننے میں ان کی بڑی راہنمائی کی تھی۔

سہ پہر کے خنک اور خوش گوار لمحات میں ایک رتھ عمارت کے سامنے آ کر رکا۔ دو مصری مہمان حضرت یوسف سے ملنے آئے تھے۔ جمر جو کبھی سرکاری افسر ہوا کرتا تھا اور اس کے ساتھ اس کا پوتا۔

میرے آقا کہہ کر جمر نے حضرت یوسف کو گلے لگالیا جب کہ نوجوان نے ادب سے جھک کر سلام کیا۔

حضرت یوسف نے اپنے پرانے دوست کی خوب آؤ بھگت کی۔ خاطر تواضع کے دوران میں وہ اپنے ماضی کو یاد کرتے رہے جب دونوں کی طاقت عروج پر تھی۔

جمر نے دکھ سے اپنے سر کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا، اتنے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہنے کے باوجود آج ہم کہاں ہیں! بڈھے کھوسٹ جو یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ ہم کیا کہنے والے تھے اور بے وقت سو جاتے ہیں۔ انسان کی زندگی بھی کیا ہے!

جمر کے پوتے نے لقمہ دیا عالی جاہ! میں سمجھ رہا تھا کہ آپ مصر کے اعلیٰ طبقے کے لوگوں میں رہ رہے ہوں گے۔ لیکن اس ملک میں 93 برس گزارنے کے باوجود ابھی تک آپ کٹر عبرانی ہیں۔ بڑی عجیب بات ہے! آپ کا نام بھی مصری ہے اور خطاب بھی۔ آپ کی شادی بھی مصری دوشیزہ سے ہوئی، آپ نے مصری دربار، سیاست اور تجارت میں بھی شراکت کی، پھر بھی اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں کی طرح آپ عبرانی ہی رہے ایسا کیوں؟

حضرت یوسف کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ہمارا خدا زندہ ہے۔ وہی خدا جو انسان سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اس نے ہمیں اپنی خاطر الگ کر رکھا ہے۔

جمر نے اپنے شبہات کا اظہار کیا جہاں تک میں نے دیکھا ہے عبرانی بھی ان ہی دیوتاؤں کی پرستش کر رہے ہیں جن کو ہم پوجتے ہیں۔ میں نے غلط تو نہیں کہا؟

حضرت یوسف سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔ انہیں اس کی تصدیق کرنی پڑی۔ انہیں اس بات سے بڑا دکھ ہو رہا تھا کہ بنی اسرائیل اپنے باپ کے خدا کی عبادت کے ساتھ ساتھ بتوں کو بھی پوجتے ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ خداوند خدا غیور خدا ہے اور وہ کسی قیمت پر اس فعل کو برداشت نہیں کرے گا۔

وہ ابھی انہی خیالوں میں گم تھے کہ جمر کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ میرے

دوست! میں تمہیں خبردار کرنے آیا ہوں کیونکہ مجھے معتبر ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ نیا فرعون تمہارے گھرانے کا جانی دشمن ہے۔ جلد ہی تم سب کو غلام بنالیا جائے گا اور تم لوگوں سے عمارتیں اور اہرام تعمیر کرانے کا کام لیا جائے گا۔ یا پھر کھیتوں اور زمین دوز کانوں میں غلامی کرنی ہوگی۔ دیوتا تم پر رحم کریں۔

حضرت یوسف جانتے تھے کہ جمر سچ کہہ رہا ہے۔ جب ان کا دوست چلا گیا تو انہوں نے اپنی تمام فکریں خدا کے حضور پیش کر دیں کیونکہ وہی ان کے لوگوں کا واحد سہارا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ جس خدا نے ان کی زندگی کے لئے ایک کامل منصوبہ تیار کر رکھا تھا ان کی اولاد کے لئے بھی اس نے ضرور ایسا ہی منصوبہ بنا رکھا ہوگا۔ تاہم جشن پر روز خوف کے بادل گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

اب حضرت یوسف کی صحت روز بروز گرتی جا رہی تھی۔ اور یہاں تک کہ وہ بالکل ہی بستر پر پڑے رہتے تھے۔ طبیعت کی خرابی نے ان کی رہی سہی طاقت بھی زائل کر دی تھی۔ دہشت زدہ ہو کر ان کے گھرانے کے لوگ ان کے گرد جمع ہو کر آہ و زاری کرنے لگے۔ بزرگ یوسف! ہمارا کیا بنے گا؟ اگر فرعون نے ہمیں غلام بنالیا تو وہ ہمیں کوڑے مار مار کر مکھیوں کی طرح مسل ڈالے گا۔ اب تو اتنی دیر ہوگئی ہے کہ اس ملک کو چھوڑا بھی نہیں جا سکتا۔ فرعون کا لشکر ہمیں کبھی بھی کنعان واپس نہیں جانے دے گا۔

حضرت یوسف اگرچہ نقاہت محسوس کر رہے تھے تاہم خدا پر ٹھوس ایمان کی قوت سے انہوں نے خود کو سنبھالا اور اپنے لوگوں کو یوں تسلی دی ہم مصر میں مسافر ہیں۔ جب خدا کا مقررہ کردہ وقت آئے گا تو وہ یقیناً تمہارے وطن کنعان تک پہنچنے میں تمہاری راہنمائی کرے گا۔ خدا قادر مطلق نے میرے بابا یعقوب کے ساتھ خود وعدہ کیا تھا میں تیرے ساتھ مصر کو جاؤں گا اور پھر تجھے ضرور لوٹا بھی لاؤں گا۔

پھر بالآخر حضرت یوسف نے محسوس کیا کہ ان کا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ چنانچہ

انہوں نے اپنے قبیلے سے کہا میں مرنے ہی والا ہوں۔ لیکن خدا یقیناً تمہاری حفاظت کرے گا اور اس **ملک** سے نکال کر اس وطن میں لے جائے گا جس کے دینے کا وعدہ اس نے حضرت ابراہیم، حضرت اضحاق اور حضرت یعقوب سے کیا ہے۔

حضرت یوسف کی آنکھیں اپنے محبوب خدا سے ملاقات کے تصور سے ہی چمکنے لگیں۔ اس خدا کے تصور سے جس کے ساتھ وہ چلتے رہے تھے۔ جس کی عمر بھر انہوں نے خدمت کی تھی۔ وہ تو اسی لمحے کے لئے جی رہے تھے۔ پھر وہ ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگے، مجھ سے وعدہ کرو کہ جب خدا تمہیں **ملک** کنعان میں لے کر جائے تو تم میرا جسدِ خاکی اپنے ساتھ لے کر جاؤ گے۔

پھر انہوں نے آخری ہچکی لی اور دم توڑ دیا۔ اب وہ اس شہر میں چلے گئے تھے جس کی بنیادیں چٹان پر رکھی ہیں۔

ان کی حنوط شدہ لاش کو تابوت میں رکھ دیا گیا۔ جب ان کے لوگ ان کا ماتم کر رہے تھے، اس وقت ان کی تمام نیکیوں اور محبت کو بھی یاد کیا جا رہا تھا۔

حضرت یوسف کی میت کو دفن نہ کیا گیا بلکہ اس طرح تیار رکھا گیا کہ جونہی خدا کی طرف سے بنی اسرائیل کو خروج کا حکم ہو اسے ساتھ لے جایا جا سکے۔

تقریباً 200 سال تک حضرت یوسف کی لاش اس گھڑی کا انتظار کرتی رہی جب خدا حضرت یعقوب کی اولاد کو اپنے وعدے کے مطابق **ملک** کنعان واپس لے جائے گا۔ یہ وعدہ اس وقت پورا ہوا جب وہ حضرت موسیٰ کی قیادت میں مصر سے کوچ کر کے اپنے وطن واپس آ گئے۔ خدا کتنا وفادار ہے کہ 200 سال کے بعد بھی اپنا وعدہ پورا کر کے چھوڑتا ہے۔

انجام کار حضرت یوسف کی میت کو سکم میں پہنچا دیا گیا جہاں ان کے باپ حضرت یعقوب نے حاران سے آتے ہوئے اپنا پہلا پڑاؤ ڈالا تھا۔ حضرت یوسف کی باقیات کو اس خطہ زمین میں دفن کیا گیا۔ جو حضرت یعقوب نے سکم کے بادشاہ سے خریدا تھا۔ ان کی قبر خدا کی وفاداری کا واضح ثبوت ہے۔ کہ اس نے اپنے سارے وعدے پورے کر دیئے۔

------------اختتام------------